قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورس

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں

1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لئے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' مزید برآں 44 آڈیو کیسٹ کے سیٹ کی صورت میں اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی اعانتی مواد فراہم کیا جا سکتا ہے۔

2) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I' II' III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لئے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

3) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کیلئے درج ذیل پتے پر رجوع کریں!

ناظم شعبہ خط و کتابت کورس

قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون : 03-5869501

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

حکمتِ قرآن

ماہنامہ — لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد

مدیر منتظم: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارہ تحریر:

پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی۔ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

حافظ عاطف وحید

جلد ۲۳ — رجب المرجب ۱۴۲۵ھ - ستمبر ۲۰۰۴ء — شمارہ ۹

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۵۴۷۰۰ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

سالانہ زرِ تعاون: 100 روپے فی شمارہ: 10 روپے

ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ: 700 روپے امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ: 900 روپے

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رجوع الی القرآن کورس میں نئے داخلے

''رجوع الی القرآن کورس میں داخلے کے لئے طالبانِ قرآن سے درخواستیں مطلوب ہیں''۔ یہ اشتہار گزشتہ چند ماہ سے حکمت قرآن میں شائع کیا جا رہا تھا۔ الحمدللہ اس کورس میں داخلے مکمل ہو گئے ہیں اور ۲ ستمبر سے کلاسز کا آغاز ہو گیا ہے۔ کورس کے شرکاء کی تعداد ۸۰ ہے' جن میں ۲۸ خواتین بھی شامل ہیں۔ اتنی کثیر تعداد میں تعلیم یافتہ حضرات وخواتین کا فہم قرآن کے حصول کے لئے سال بھر کا وقت فارغ کرنے کا فیصلہ کر لینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہمارا معاشرہ ابھی سعادت سے بانجھ نہیں ہوا اور اس میں دعوت الی الخیر اور رجوع الی القرآن کی پکار پر لبیک کہنے والے موجود ہیں۔ اس کورس کے شرکاء کی تعداد میں ہر سال اضافہ سے اس حقیقت کی غمازی بھی ہوتی ہے کہ مرکزی انجمن خدام القرآن کے صدر مؤسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ نے آج سے قریباً چالیس سال قبل دعوت رجوع الی القرآن کا جو پودا لگایا اور اسے ایک طویل عرصے تک اپنے خونِ جگر سے سینچا' اب وہ ایک تناور درخت بن کر برگ وبار لا رہا ہے۔

رجوع الی القرآن کورس کو اس دعوتِ قرآنی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے اور اس سے ہر سال بیسیوں مرد وخواتین استفادہ کرتے ہیں' جن میں سے کچھ نہ کچھ تعداد ایسی سعید روحوں کی بھی ضرور نکل آتی ہے جو دروسِ قرآن کے حلقوں اور تدریس عربی کی کلاسز کے ذریعے تعلّم وتعلیم قرآن کے اس ''بہترین'' کام میں مشغول ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اس سال اس کورس کو جن اساتذۂ کرام کی رفاقت وراہنمائی میسر ہے وہ سب اسی کورس کے فارغ التحصیل ہیں اور اب اعزازی طور پر تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

کورس کو ترتیب دیتے ہوئے اس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ شرکاء نہ صرف عربی زبان کے بنیادی قواعد اور اسالیب سے واقف ہو جائیں تاکہ قرآن حکیم کی ابدی ہدایت سے براہِ راست استفادے کی راہ ہموار ہو سکے بلکہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے مربوط مطالعے کے ذریعے دین کا صحیح تصور اور فرائض دینی کا ایک جامع خاکہ بھی ان پر واضح ہو جائے۔ مزید برآں مطالعہ احادیث نبویؐ کا ایک مختصر نصاب' تجوید' ترجمہ وترکیب قرآن اور مطالعہ فقہ بھی شامل نصاب ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز کے تعلّم وتعلیم کے ضمن میں ہونے والی جملہ مساعی کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ oo

منتخب نصاب (درس ۲۶)

ڈاکٹر اسرار احمد

اُمّتِ مُسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورت

اُمُّ المُسَبِّحات : سورۃ الحدید

(۱۷)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ..... امّا بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ ..... صدق اللّٰہ العظیم

گزشتہ سولہ نشستوں میں ہم سورۃ الحدید کے صرف تین رکوعوں کا مطالعہ مکمل کر سکے تھے اور اس کا آخری رکوع' جو چار آیات پر مشتمل ہے' ابھی اس کا مطالعہ باقی ہے۔ جس طرح کسی مضمون کی تکمیل کے بعد بعض اوقات اضافی وضاحت کی ضرورت پیش آتی ہے' سورۃ الحدید کے اس آخری رکوع کی نوعیت اس سورۂ مبارکہ کے باقی مضامین کے اعتبار سے قریباً وہی ہے۔ گویا یوں کہا جا سکتا ہے کہ سورۃ الحدید کا اصل مضمون ۲۵ آیات میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا' لیکن اس اندیشے کے پیش نظر کہ اس کا کوئی غلط نتیجہ نہ نکال لیا جائے' ایک تنبیہ اور وارننگ کے طور پر ایک ضمیمے اور تکملے کی حیثیت سے یہ چار آیات بھی شامل کی گئیں۔ ''اینٹی کلائمکس'' کا لفظ اگرچہ قرآن حکیم کے لئے استعمال کیا جانا مناسب نہیں ہے' لیکن ہماری مجبوری ہے کہ افہام وتفہیم کے لئے ہمیں بعض ایسی

اصطلاحات کا استعمال کرنا پڑتا ہے جن سے ہم عام طور پر متعارف ہیں۔ اس کو بلاتشبیہہ سمجھنا چاہئے کہ جیسے کسی مضمون کے کلائمکس کو پہنچ جانے کے بعد ایک اینٹی کلائمکس آتا ہے کچھ اسی طرح کا معاملہ سورۃ الحدید کے اس چوتھے رکوع کی چار آیات کا اس کے بقیہ تین رکوعوں کی پچیس آیات کے ساتھ ہے۔ اس لئے کہ پچیسویں آیت کے بارے میں مَیں نے عرض کیا تھا کہ یہ نہ صرف قرآن حکیم کی اہم ترین آیات میں سے ہے' بلکہ پوری دنیا میں جتنا بھی انقلابی لٹریچر موجود ہے' اس میں جامع ترین اور عریاں ترین انقلابی نظریہ اس ایک آیت میں ہے۔

سابقہ مضامین پر نگاہِ بازگشت

سورۃ الحدید کی آخری چار آیات کا مطالعہ کرنے سے قبل مناسب ہوگا کہ ہم تیزی کے ساتھ ایک طائرانہ نگاہ ان مضامین پر ڈال لیں جن کا ہم مطالعہ کر چکے ہیں۔ ہم نے تفہیم کی غرض سے اس سورۂ مبارکہ کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ اب میں ان حصوں کو کچھ ترمیم کے ساتھ بیان کر رہا ہوں۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک حصے میں کوئی نہ کوئی آیت ایسی آئی ہے جس کی نظیر پورے قرآن حکیم میں نہیں ملتی۔ اس سورۂ کا پہلا حصہ جو چھ آیات پر مشتمل ہے' قرآن حکیم میں ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کے بیان پر جامع ترین مقام ہے' نیز یہ ذات وصفاتِ باری تعالیٰ سے متعلق مشکل ترین مسائل سے بلند ترین علمی سطح پر بحث کرتا ہے۔ اس حصے کی عظیم ترین آیت ہے: ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ اللہ تعالیٰ کے ان چار اسماء کے حوالے سے ہم نے فلسفۂ وجود' ماہیتِ وجود اور ربط الحادث بالقدیم جیسے مسائل پر گفتگو کی' جو فلسفے اور علمِ کلام کے اہم ترین اور مشکل ترین مسئلے ہیں۔

اس سورۂ مبارکہ کا دوسرا حصہ بھی چھ آیات (۷۔۱۲) پر مشتمل ہے۔ ان آیات میں باہمی ربط اور نظم اتنا نمایاں اور ظاہر و باہر ہے کہ کم از کم میرے نزدیک قرآن حکیم میں اس کی کوئی دوسری نظیر موجود نہیں۔ ان میں سے پہلی آیت (آیت ۷) میں دین کے تمام تقاضوں کو دو اصطلاحات (ایمان اور انفاق) میں بیان کر دیا گیا: ﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

وَرَسُوْلِہٖ وَاَنْفِقُوْا﴾ ''ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر (جیسا کہ ایمان لانے کا حق ہے) اور خرچ کرو (اللہ کی راہ میں)۔'' پھر آیت ۸ اور ۱۰ میں ذرا زجر کا انداز اختیار کیا گیا: ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ ''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں رکھتے؟ (جیسا کہ ایمان کا حق ہے)۔'' اور ﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''تمہیں کیا ہو گیا ہے کیوں خرچ نہیں کرتے اور کھپاتے اللہ کی راہ میں؟ (جیسا کہ خرچ کرنے اور کھپانے کا حق ہے)۔'' جبکہ آیت ۹ اور ۱۱ میں ترغیب وتشویق اور حوصلہ افزائی کا انداز ہے۔ آیت ۹ کا مضمون یہ ہے کہ اگر اپنے باطن میں جھانکو اور محسوس کرو کہ واقعی اور حقیقی ایمان موجود نہیں ہے تو قرآن حکیم کی طرف رجوع کرو جو منبع ایمان ہے ﴿هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ یہ قرآن موجود ہے' اس کی آیاتِ بینات سے اپنے سینے کو منور کرو' ایمانِ حقیقی کی نعمت تمہیں یہاں سے مل جائے گی۔ پھر یہ کہ انفاق کے لئے ترغیب کا جو بہت ہی مؤثر انداز ہو سکتا ہے وہ آیت ۱۱ میں اختیار کیا گیا' جس کے لئے میں نے غالب کا یہ مصرعہ آپ کو سنایا تھا ع ''کون ہوتا ہے حریفِ مئے مردافگنِ عشق؟'' ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ ''کون ہے وہ جو قرض دے اللہ کو قرضِ حسنہ؟'' اب یہ پانچ آیتیں ہو گئیں۔ چھٹی آیت کو میں اس مرتبہ اسی دوسرے حصے میں شامل کر رہا ہوں۔ ان آیات میں دین کے جو تقاضے (ایمان اور انفاق) بیان ہوئے' جو شخص ان دونوں تقاضوں کو پورا کر دے گا تو اس کے لئے قیامت کے دن میدانِ حشر میں نور کا ظہور ہو گا۔ فرمایا: ﴿يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ﴾ ''اُن کا نور اُن کے سامنے اور اُن کے دائیں طرف دوڑ رہا ہو گا۔ نورِ ایمان ان کے سامنے ہو گا اور نورِ انفاق ان کے دائیں طرف۔ اس لئے کہ انفاق دائیں ہاتھ سے کیا جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی بڑی پیاری حدیث ہے کہ اللہ کی راہ میں اس طور سے مال خرچ کرو کہ تمہارا داہنا ہاتھ جو دے وہ تمہارے بائیں ہاتھ کے علم میں نہ آئے۔

تیسرا حصہ آیت ۱۳ سے آیت ۱۵ تک تین آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے لئے

عنوان ہے ''تفریق المسلمین بین المؤمنین والمنافقین''۔ دنیا میں جو لوگ مسلمان سمجھے جاتے تھے' قیامت کے روز ان کے مابین تمیز اور تفریق کی جائے گی۔ یہ وہی مرحلہ ہے جسے ہم عام طور پر ''پل صراط'' کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ میدانِ حشر کے مراحل میں سے ایک مرحلہ ہے جب ایک چھلنی لگے گی کہ وہ مسلمان جو حقیقی ایمان سے بہرہ ور ہوں گے وہ اس راستے سے گزر کر جنت میں داخل ہو جائیں گے' جبکہ وہ لوگ جو حقیقی ایمان سے محروم تھے' بلکہ ان کے دلوں میں نفاق کا روگ تھا' وہاں پر ٹھوکریں کھاتے ہوئے جہنم میں جا گریں گے۔ آیت ۱۴ نفاق کی حقیقت اور اس کے مراحل و مدارج کے موضوع پر قرآن حکیم کی جامع ترین آیت ہے۔ نفاق کا اصل سبب کیا ہے؟ یہ کہ انسان مال اور اولاد سے اس حد سے زیادہ محبت کرے جس حد تک محبت کرنا درست ہے۔ اگر مال اور اولاد کی یہ محبت انسان کے دل پر ضرورت سے زیادہ قابو پا لے تو گویا اُس نے اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں فتنے میں ڈال دیا۔ اب اس کے بعد مزید مراحل ہیں۔ فرمایا: ﴿وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ ''لیکن تم نے اپنے آپ کو (اپنے ہاتھوں) فتنے میں ڈالا اور پھر تم گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے اور تم شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے اور تمہیں آرزوؤں نے دھوکے میں ڈالے رکھا' یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ گیا اور وہ بڑا دھوکے باز (شیطان) تمہیں اللہ کے معاملے میں دھوکہ دیتا رہا''۔ اور پھر اس کا جو انجام ہے وہ بیان فرما دیا: ﴿فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''پس آج نہ تو تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کافروں سے''۔ دنیا میں منافق اہلِ ایمان کے ساتھ گڈمڈ تھے' آخرت میں اُن کا حشر کافروں کے ساتھ ہو گا۔ چوتھا حصہ ۱۶ سے ۱۹ تک' چار آیات پر مشتمل ہے' جس کے لئے میں نے جامع عنوان ''سلوکِ قرآنی'' تجویز کیا تھا۔ آیت ۱۶ کا مضمون یہ ہے کہ دیکھو اگر تتبہ ہو گیا ہے' اگر حقیقت کا انکشاف ہو گیا ہے' اگر اللہ نے اپنے اندر جھانکنے کی توفیق عطا کر دی ہے' اگر یہ احساس ہو گیا ہے کہ ایمانِ حقیقی سے محرومی ہے' تو اب کمرِ ہمت کسو اور اس

وقت کو ہاتھ سے جانے نہ دو! کہیں تاخیر وتعویق کے فتنے میں مبتلا نہ ہو جانا! فرمایا: ﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ ''کیا ابھی وقت نہیں آیا اہلِ ایمان کے لئے (ایمان کے دعوے داروں کے لئے) کہ ان کے دل واقعتاً جھک جائیں اللہ کی یاد کے لئے اور (وہ تسلیم کرلیں اس سب کو) جو حق میں سے نازل ہوا ہے''۔ گویا کہ جھنجھوڑنے کا انداز ہے کہ اب مزید تاخیر کا موقع نہیں ہے۔ دوسری طرف اگر تم اپنے اندر جھانک کر محسوس کر رہے ہو کہ دل میں سختی موجود ہے' تو گھبراؤ نہیں' مایوس نہ ہو' بددل نہ ہو۔ ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ ''جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد از سرِ نو زندگی عطا فرما دیتا ہے''۔ دیکھو اللہ تعالیٰ مردہ زمین پر بارش برسا کر اسے از سرِ نو حیاتِ تازہ عطا کر دیتا ہے۔ کیا عجب کہ وہ تمہارے دلوں کی زمین کو بھی ایمان کی لہلہاتی فصل سے دوبارہ زندہ کر دے۔ اس کے لئے جو شرط لازم ہے وہ اگلی آیت میں بیان کر دی گئی۔ نفاق کا اصل سبب حبِّ دنیا ہے' جس کی سب سے بڑی علامت حبِّ مال ہے۔ چنانچہ علاج بالضد کے اصول پر نفاق کا علاج یہ ہوگا کہ خرچ کرو' لگاؤ' کھپاؤ اللہ کی راہ میں۔ فرمایا: ﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ﴾ ''یقیناً کثرت کے ساتھ صدقہ کرنے والے مرد اور عورتیں اور جنہوں نے اللہ کو قرضِ حسن دیا ہے' ان کو یقیناً کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور اُن کے لئے بہترین اجر ہے''۔ گویا مال کی محبت کو ہر دو طریقے پر دل سے نکالنا ہوگا' محتاجوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کر کے بھی اور اللہ کے دین کے قیام کی جدوجہد کے لئے بھی۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ حبِّ مال ایک طرح کا بریک ہے۔ اگر بریک لگا ہوا ہو تو آپ ایکسیلیٹر کو خواہ کتنا ہی دبائیں گاڑی نہیں چلے گی۔ پہلے بریک کھولئے' پھر ایکسیلیٹر کو دبایئے تو گاڑی چلے گی۔ لہٰذا مال کی محبت کا یہ بریک کھول دو۔ اب اپنے ایمان کی تجدید کرو اور اپنی کشتِ قلب میں از سرِ نو بیج ڈالو اور اس کی آبیاری کرو۔ پھر تمہیں لہلہاتی ہوئی بہار نصیب ہوگی اور اپنی افتادِ طبع کے اعتبار سے بلند ترین مقامات میں سے

صدیقیت یا شہادت کے رتبے تک فائز ہو جاؤ گے۔ فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر وہی ہیں صدیق اور شہید اپنے رب کے پاس۔ ان کے لئے محفوظ ہے ان کا اجر بھی اور ان کا نور بھی''۔

سورۃ الحدید کا پانچواں حصہ آیات ۲۰ تا ۲۴' پانچ آیات پر مشتمل ہے۔ حیاتِ دُنیوی کی اصل حقیقت اور خاص طور پر اس کے مراحل و ادوار کے بیان کے ضمن میں آیت ۲۰ قرآن مجید کی عظیم ترین آیت ہے اور اس کی کوئی نظیر قرآن میں موجود نہیں۔ فرمایا: ﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ ﴾ اس ایک آیت میں انسانی زندگی کے پانچ ادوار گنوا دیئے گئے ہیں: (i) بچپن کا کھیل کود۔ (ii) نوجوانی کا لہو اور تلذذ (sensual gratification)۔ (iii) زینت و زیبائش اور آرائش (iv) باہمی تفاخر۔ یعنی اپنی دولت' نسل' علم' عقل' ذہانت و فطانت یا کسی اور استعداد اور صلاحیت پر فخر اور۔ (v) اموال و اولاد میں کثرت کی خواہش۔ اسی کا تکملہ آخری پارے کی سورتوں میں سورۃ التکاثر ہے۔ پھر اس کے لئے ﴿ كَمَثَلِ غَيْثٍ .....الخ ﴾ کے الفاظ میں بہترین تشبیہ دی گئی کہ جیسے بارش کے بعد زمین سے سبزہ اگتا ہے اور جب فصل اُپجتی ہے تو کاشتکار کو کس قدر خوشی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس کے بعد اسی فصل پر زردی آتی ہے اور پھر وہ چُورا چُورا ہو کر بھس بن جاتی ہے۔ پھر وہی کھیت ویرانی کا منظر پیش کر رہا ہوتا ہے۔ گویا حیات کا ایک دور جو آیا تھا وہ ختم ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ اصل میں حیاتِ دنیوی کا نصب العین تو یہ ہونا چاہئے: ﴿ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ﴾ ''ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے رب کی مغفرت اور اُس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین جیسی ہے۔ یہ تیار کی گئی ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر''۔ یہ ہے مومن کا

نصب العین۔ باقی تمام چیزیں فرائض کے درجے میں رہیں گی' نصب العین اس کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔

اس حصے میں بیان ہونے والا تیسرا اہم مضمون یہ ہے کہ انسان پر آنے والی ہر مصیبت اللہ کی طرف سے پہلے سے طے ہوتی ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں انسان مختلف حوادث اور آفاتِ ارضی و سماوی سے بہت متاثر ہوتا ہے۔ کبھی تکالیف آ گئیں' کوئی بیماری آ گئی' کوئی نقصان ہو گیا' کوئی عزیز فوت ہو گیا' یا یہ کہ اقامتِ دین کی جدوجہد میں انسان مختلف خطرات سے دوچار ہوتا ہے اور اسے جان و مال کے ضیاع کا خوف لاحق ہو جاتا ہے۔ یہاں ان سب سے نجات دلانے والی بات فرما دی گئی: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ ''نہیں نازل ہوتی کوئی نازل ہونے والی زمین میں اور نہ تمہارے اپنے نفسوں میں مگر یہ کہ وہ ایک کتاب میں درج ہے اس سے پہلے کہ ہم اسے ظاہر کریں''۔ انسان اپنے فرائض سے گریز کے لئے اس کو بہانہ بنائے تو یہ گویا اس کی نادانی اور ناسمجھی ہے۔ وہ تو آ کر رہنے والی چیزیں ہیں اور ان کا اصل مقصد ابتلا' آزمائش اور امتحان ہے جو حیاتِ دُنیوی کی اصل غرض و غایت ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ''اس نے موت اور زندگی کی تخلیق فرمائی تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کون اچھے اعمال کرتا ہے۔''

سورۃ الحدید کا چھٹا حصہ ایک آیت پر مشتمل ہے' جس کے بارے میں مَیں نے عرض کیا تھا کہ یہ اس سورۂ مبارکہ کا کلائمکس ہے: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ''ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو واضح تعلیمات اور واضح نشانیوں کے ساتھ اور ان کے ساتھ ہم نے کتاب اور میزان اتاری' تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں۔'' یعنی نبوت و رسالت اور کتاب و میزان کا اصل مقصد اور اصل ہدف قیامِ نظامِ عدلِ اجتماعی ہے۔ جہاں تک انفرادی سطح پر ایک بندۂ مومن کے نصب العین کا تعلق ہے وہ آخرت کی فلاح و نجات' حصولِ مغفرت اور حصولِ جنت

ہے۔لیکن دنیا میں اس کی مساعی' اس کی جدوجہد' بھاگ دوڑ کا ہدف' بلکہ اس کے دوسرے فرائضِ دینی کا نقطۂ عروج نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام ہے۔اس مقصد کے لئے جہاں دعوت وتبلیغ' تعلیم ونصیحت' تلقین وتشویق اور ترغیب وترہیب کی ضرورت ہے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ قوت فراہم کرو اور وقت آنے پر قوت کا استعمال کرو۔ جو لوگ بھی اس نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام کی راہ میں مزاحم ہوں اُن کے ساتھ مقابلہ کرو۔ یہاں تک کہ ضرورت ہو تو ان کی سرکوبی کرو۔ہم نے لوہا اسی لئے اتارا ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ﴾ ''اور ہم نے لوہا بھی اتارا ہے جس میں شدید جنگ کی صلاحیت ہے اور لوگوں کے لئے دوسری منفعتیں بھی ہیں' اور تا کہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ کون ہے وہ جو غیب کے باوجود اللہ اور اُس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے''۔ یہ اس سورۂ مبارکہ کا کلائمکس ہے۔

اعمالِ صالحہ کے نقطۂ عروج پر شیطان کا اغوا و اضلال

اب دیکھئے' یہاں ایک بات سامنے آ رہی ہے کہ دین کی شاہراہ پر چلتے ہوئے ایک بندۂ مومن تدریجاً نقطۂ عروج پر پہنچ گیا۔ظاہر بات ہے کہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے لہٰذا اس نقطۂ عروج پر پہنچ کر بھی وہ شیطان کے اغوا و اضلال سے محفوظ و مامون نہیں ہو سکتا۔ اور شیطان کا معاملہ یہ نہیں ہے کہ وہ ایک ہی ہتھیار سے سب کو شکار کرنا چاہے۔ وہ مختلف ذہنی سطح اور مختلف افتادِ طبع کے لوگوں کو مختلف حربوں سے زیر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔کوئی شخص ایمان اور عملِ صالح کی منزلیں طے کرتا ہوا دین کی شاہراہ پر گامزن ہے تو اسے آخری منزل سے ہٹانے کے لئے شیطان کا اغوا اور اضلال یہ ہے کہ اس کی جدوجہد کو اقامتِ دین کے رخ سے موڑ کر تزکیہ کے خانقاہی تصور کی طرف منعطف کر دیا جائے کہ بس اپنی ہی ذات کو رگڑے جاؤ' اسی کو مانجھے جاؤ' اسی کو سنوارے جاؤ۔

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے!

تا کہ یہ نظامِ باطل کو چیلنج نہ کرے اور میرے استبداد' میرے استیلاء' میری حکومت اور میرے غلبے کے لئے چیلنج نہ بن جائے۔ لگا رہے نمازوں میں' روزانہ روزے رکھے' پوری پوری رات کھڑا رہا کرے۔ اپنی دانست میں منکرات اور حرام سے بچنے کے لئے نہایت خوردہ گیری اور خوردہ بینی سے کام لے' لیکن میرے مقابلے میں نہ آئے' میرے نظام کو چیلنج نہ کرے' استحصالی و استبدادی نظام کے لئے خطرہ نہ بنے۔ ایک شخص یہاں تک آ گیا کہ اس نے اللہ کو پہچان لیا' آخرت کو جان لیا' اس نے طے بھی کر لیا کہ مجھے اللہ ہی کی رضا حاصل کرنی ہے۔ یعنی اس کا نصب العین بھی درست ہو گیا۔ پھر یہ کہ اپنے نفس کے حربوں اور ہتھکنڈوں سے بھی اس نے آزادی حاصل کر لی ہے' گناہوں سے بچ رہا ہے' حرام خوری سے اجتناب کر رہا ہے' فواحش و منکرات سے بچ گیا ہے۔ یہ سارے ہفت خوان طے کر چکا ہے۔ لیکن آخری مرحلے پر شیطان جو داؤ اور اڑنگا لگاتا ہے وہ یہ ہے کہ اب اس کا رخ موڑ دو اور اسے اپنی ذاتی اصلاح ہی کے اندر لگائے رکھو' تا کہ یہ کہیں نظام کی اصلاح کے لئے میدان میں نہ آ جائے۔ یہ ہے درحقیقت شیطان کا آخری حربہ جو وہ نیک لوگوں پر آزماتا ہے اور ان کی نیکی کو بدی کے لئے چیلنج نہیں بننے دیتا' بلکہ انہیں ان کی انفرادی نیکی کے اندر محو کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس آخری حصے میں شیطان کے اس حربے کے خلاف ایک تنبیہہ آ رہی ہے' اور چونکہ انبیاء و رسل کی اُمتوں میں سے ایک اُمت کی ایسی مثال موجود ہے' لہٰذا اسے یہاں اُجاگر کیا جا رہا ہے' تا کہ ایک نشانِ عبرت سامنے موجود رہے کہ بالفعل ایسا ہوا ہے اور شیطان نے یہ داؤ آزما کر ایک بڑی عظیم اُمت کو ایک غلط رخ پر ڈال دیا ہے۔ یہ درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کی مثال ہے جنہوں نے اپنی اسی ذاتی انفرادی نیکی کے غلبے کے زیر اثر اور غیر معتدل تصور کے تحت رہبانیت کا نظام ایجاد کر لیا۔ جبکہ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ اس کے وفادار بندے لوہے کی طاقت ہاتھ میں لے کر میدان میں آئیں اور اللہ کی مدد بھی کریں اور اللہ کے رسولوں کی مدد بھی کریں۔ دین اللہ کا ہے۔ اسے قائم کرنے کی جدوجہد گویا اللہ کی مدد ہے اور چونکہ رسول کو بھیجا ہی اس لئے گیا ہے کہ اس دین کو

غالب کرے لہٰذا یہ گویا رسولؐ کی بھی مدد ہے۔ یہی بات سورۃ الصف کی آخری آیت میں فرمائی گئی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾

''اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بن جاؤ' جس طرح عیسیٰؑ بن مریم نے حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف؟ حواریوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار!''

اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے اب ہم ان آیات کا مطالعہ شروع کرتے ہیں۔ ارشاد ہوا: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ ''ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو بھیجا اور ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔ پھر ان کی اولاد میں سے کسی نے ہدایت اختیار کی اور بہت سے فاسق ہو گئے''۔ یہ ایک بڑی پرشکوہ تمہید ہے آگے زیر بحث آنے والے اس مضمون کے لئے کہ حضرت عیسیٰؑ کے پیروکار جس غلط رخ پر پڑ گئے تھے تم بھی کہیں اس رخ پر نہ پڑ جانا۔ اس سے تمہیں پیشگی طور پر متنبہ کیا جا رہا ہے۔ تو گویا اصلاً مقصود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے' لیکن قرآن کا یہ اسلوب ہے کہ بات کا آغاز پرشکوہ تمہید سے کیا جاتا ہے۔ اس اسلوب کی ایک مثال سورۂ آل عمران میں ہے کہ اصلاً تذکرہ تو حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کا' اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا کرنا ہے' لیکن اس کا آغاز آیت ۳۳ سے بایں الفاظ کیا گیا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ اس اسلوب کا مفاد یہ ہے کہ جس موضوع پر گفتگو ہونی ہے اس کا اصل پس منظر اور سیاق وسباق (context) معین ہو جائے۔ تو یہاں پر بھی ایک پرشکوہ تمہید کے طور پر یہ مضمون آیا ہے۔

تاریخ نبوت ورسالت کا ایک تحقیق طلب پہلو

فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ﴾ ''اور ہم نے بھیجا نوحؑ کو اور ابراہیمؑ کو''

﴿وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ ''اور ہم نے رکھ دی انہی دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب''۔ یہ معاملہ تاریخ نبوت و رسالت کے اعتبار سے محققین کے لئے نہایت اہم رہنمائی کا حامل ہے۔ یہاں یہ مضمون ضمنی طور پر آیا ہے' اور میں بارہا عرض کر چکا ہوں کہ قرآن حکیم میں اہم ترین علمی مضامین اکثر و بیشتر ضمنی طور پر آتے ہیں۔ ایک ہے قرآن کی ہدایت' تذکرہ' ذکریٰ' یاددہانی' وہ تو قرآن مجید میں آپ کو سطح پر ملے گی' وضاحت سے ملے گی' بتکرار واعادہ ملے گی' اور ایسی سطح پر ملے گی جس کو ایک عام انسان بھی بآسانی سمجھ لے۔ لیکن جو علمی نوادر اور اعلیٰ علمی و عقلی نکات ہیں وہ آپ کو ضمنی طور پر اس انداز سے ملیں گے کہ عام آدمی تو اس پر سے گزر جائے' یہاں رکے نہیں' اس کا ذہنی تسلسل ٹوٹنے نہ پائے اور وہ تذکرہ کے عمل میں کہیں کوئی رخنہ نہ پائے' لیکن جس شخص کے ذہن میں علمی اشکالات اور سوالات ہیں' جو کسی تحقیق میں سرگرداں ہے' وہ وہاں پر پہنچے تو رک جائے اور پھر وہ اپنا ہائی پاور لینز (lense) فوکس کر کے بیٹھ جائے کہ جا ایں جاست! اسے محسوس ہو کہ اس مقام سے تو مجھے بڑی رہنمائی مل رہی ہے۔

اس ضمن میں اب ہم تجزیہ کرتے ہیں۔ جہاں تک حضرت نوح علیہ السلام کا معاملہ ہے وہ تو بالکل واضح ہے۔ اس لئے کہ آپؑ آدم ثانی ہیں' پوری موجودہ نسلِ انسانی حضرت نوحؑ کی اولاد سے ہے۔ قرآن مجید سے بھی اس کی گواہی ملتی ہے۔ ازروئے الفاظ قرآنی: ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِیْنَ﴾ (الصّٰفّٰت) ''ہم نے صرف اسی کی نسل کو باقی رکھا''۔ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ زمانی فصل کتنا ہے۔ لیکن بہرحال اس دور میں جتنی بھی نسلیں آدم علیہ السلام کی پھیلی ہیں وہ سب کی سب ہلاک کر دی گئیں' سوائے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد اور ان کے اہلِ ایمان ساتھیوں کے۔ گمان غالب یہ ہے کہ سوائے ان کے اپنے بیٹوں اور ان کی بیویوں کے اور کوئی بھی باقی نہیں بچا تھا۔ واللہ اعلم! لیکن اگر کوئی تھے بھی تو ان کی نسل آگے نہیں چلی۔ نسل صرف حضرت نوح علیہ السلام کی چلی ہے۔ آج پوری نسلِ انسانی

حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں حضرت سام، حضرت حام اور حضرت یافث کی اولاد سے ہے۔ یعنی آج دنیا میں جتنی بھی اقوامِ عالم ہیں، سب کی سب انہی تینوں کی نسلوں سے ہیں۔ لہٰذا اس میں تو کوئی اشکال اور اشتباہ نہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک نبوت حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہی میں رہی۔ البتہ حضرت ابراہیمؑ کا معاملہ بہت اہم ہے۔ ظاہر بات ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد جب ان کی نسل آگے چلی تو دُنیا میں اور اقوام بھی موجود تھیں۔ حضرت سام کی اولاد کی بھی اور بہت سی شاخیں ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت حام اور حضرت یافث کی اولاد سے کئی نسلیں اور ان کی شاخیں ہیں۔ لیکن قرآن معین طور پر کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت اور کتاب کا معاملہ صرف نسلِ ابراہیمی کے ساتھ مختص کر دیا گیا۔ اور جیسا کہ میں نے بارہا عرض کیا ہے کہ اہم مضامین قرآن مجید میں کم سے کم دو جگہ ضرور آتے ہیں۔ لہٰذا اس مضمون کا مثنیٰ سورۃ العنکبوت کی آیت ۲۷ ہے، جہاں تعین کے ساتھ واحد کے صیغے میں حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں یہ بات کہی گئی: ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ ''ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ (جیسا بیٹا) اور یعقوبؑ (جیسا پوتا) عنایت فرمایا اور ہم نے اس کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھ دی''۔ نوٹ کیجئے کہ یہاں ''فِيْ ذُرِّيَّتِهِمْ'' نہیں، بلکہ واحد کی ضمیر کے ساتھ ''فِيْ ذُرِّيَّتِهٖ'' فرمایا۔ ﴿وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾ ''اور ہم نے اسے اس دنیا کی زندگی میں بھی اس کا اجر بھرپور طریقے پر عطا فرمایا اور آخرت میں تو وہ یقیناً ہمارے نیکوکار بندوں میں سے ہوگا''۔ اب اس سے جو بات سامنے آ رہی ہے اس پر غور کیجئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام آج سے کم از کم چار ہزار برس قبل کی شخصیت ہیں۔ میرا اندازہ چار سے ساڑھے چار ہزار برس تک کا ہے۔ اس لئے کہ مصر سے بنی اسرائیل کا خروج (exodus) چودہ سو قبلِ مسیح سے لے کر تیرہ سو قبلِ مسیح تک کے درمیان کا زمانہ ہے۔ چنانچہ ۳۴۰۰ برس تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہو چکے ہیں۔ اب ان سے پہلے کئی سو برس حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین گزرے ہیں، جس کے

دوران بنی اسرائیل کی تعداد میں اس قدر اضافہ ہوا کہ صرف ستر بہتر افراد کا قافلہ جو مصر میں داخل ہوا تھا وہ وہاں سے چھ لاکھ کی تعداد میں نکلا ہے۔ یعنی اس میں خاصا وقت لگا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کم از کم پانچ سو برس کا معاملہ ہے' جن میں سے ان کے دو اڑھائی سو برس تو بڑے عیش و آرام میں گزرے' جیسے کہ پیرزادے ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے اُس وقت کے شہنشاہِ مصر کو جو عقیدت ہوگئی تھی اس کے نتیجے میں انہیں اور ان کے خاندان کو از حد عقیدت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ کچھ اور تاریخی عوامل بھی تھے۔ اُس دور کے شہنشاہانِ مصر ''چرواہے بادشاہ'' (Hyksos Kings) قبطی النسل لوگ نہیں تھے' بلکہ وہ عرب ہی کے کسی علاقے سے آئے تھے' لہٰذا سیاسی مصلحت کے تحت انہیں ضرورت تھی کہ کوئی ایسی قوت وہاں موجود رہے جسے وہاں کی مقامی آبادی قبطی نسل کے لئے کاؤنٹرویٹ کی حیثیت حاصل رہے۔ دوسری طرف حضرت یوسف علیہ السلام سے گرویدگی اور عقیدت مندی کا بھی یہ نتیجہ تھا کہ حضرت یوسفؑ کے خاندان کو ''جشن'' کے علاقے میں آباد کیا گیا جو مصر کا بہترین اور نہایت زرخیز علاقہ تھا۔ لیکن جب وہاں ایک قومی انقلاب آ گیا اور وطن کے سپوتوں (sons of the soil) یعنی قبطیوں نے چرواہے بادشاہوں کا تختہ اُلٹ دیا اور پھر وہاں پر فراعنہ کا دَور دوبارہ آ گیا تو اس کے بعد وہی لوگ جو کہ پہلے منظورِ نظر اور مراعات یافتہ تھے' وہی عتاب کا نشانہ بن گئے۔ بنی اسرائیل چونکہ دشمن کے منظورِ نظر تھے لہٰذا قبطیوں کی نظر میں دشمن ٹھہرے۔ بنی اسرائیل پر عتاب کا یہ دور بڑا طویل ہے' جس کے دوران نامعلوم کتنے ہزار افراد ہلاک کئے گئے۔ ان میں سے بہت سے اہرامِ مصر کی تعمیر کے دوران سرمہ بن گئے۔ ان کے اوپر بڑی بڑی چٹانیں گریں اور ان کا نام و نشان نہ رہا۔ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ ان پر کم از کم دو مرتبہ ایسا دَور بھی آیا جب فراعنہ مصر نے حکم دے دیا کہ ان کی نوزائیدہ اولاد میں سے بیٹوں کو قتل کر دو' صرف بیٹیوں کو زندہ رکھو۔ اس کے باوجود مصر سے خروج کے وقت ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔

یہ بات بھی واضح ہے کہ جہاں تک ہماری تاریخی معلومات کا تعلق ہے وہ اس

دور سے زائد ہیں ہی نہیں۔ انسان آج تک بس پانچ ہزار سال کی تاریخ کی تحقیق کر پایا ہے۔ پاکستان کے دو قصبوں موہنجو دڑو اور ہڑپہ کے علاوہ ہریانہ (مشرقی پنجاب) میں اسی دور کی تہذیب کے کھنڈرات دریافت ہوئے ہیں۔ مصر اور عراق کے اندر بھی اسی دور کی انسانی تہذیب کے آثار ملتے ہیں۔ ہمارے عام تحقیق اور انکشافات کے ذرائع اس سے آگے نہیں پہنچ پائے۔ متذکرہ بالا دو آیات کی رو سے ان چار ساڑھے چار ہزار سال کے دوران نبوت کا معاملہ صرف نسلِ ابراہیمی میں ہو سکتا ہے۔

یہاں درحقیقت ایک بہت بڑا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ ایک طرف قرآن یہ کہتا ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾ (فاطر) ''کوئی ایسی بستی نہیں ہے کہ جس میں کوئی نہ کوئی خبردار کرنے والا نہ گزرا ہو''۔ پھر سورۃ الرعد میں فرمایا: ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ یعنی ہر قوم کے لئے ہم نے ہادی بھیجے۔ تو اب ان دونوں باتوں کے درمیان مطابقت کیسے ہو' یہ ایک بڑا علمی مسئلہ ہے۔ اس اشکال کے حل کے لئے ہم پہلے دنیا کی باقی اقوام پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ مثلاً چین کی تہذیب بڑی قدیم تہذیب ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ چین' روس' سینٹرل ایشیا میں وسطی سلسلۂ کوہ سے پرے آباد ہونے والی اقوام' پھر یورپ کے میدانی علاقے اور مغربی یورپ کے اندر اترنے والی ناروی نسلیں (Nordic Races) یہ سب حضرت یافث کی نسل سے ہیں۔ اسی طرح اِدھر ایران' ہند اور سندھ اور اُدھر شمالی افریقہ کے علاقے قبط اور سوڈان میں حضرت حام کی اولاد آباد ہے۔ حضرت سام کی اولاد اس تکون میں نیچے اتر گئی ہے۔ آج کل جو علاقہ کردستان کہلاتا ہے یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا مسکن ہے' جس کو ''جزیرہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ فرات اور دجلہ کے درمیان شمال میں جا کر وہ علاقہ کافی چوڑا ہو جاتا ہے۔ یہاں پر حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ وہاں سے نیچے جنوب کی طرف جزیرہ نمائے عرب تک جو قومیں اتر گئیں' وہ حضرت سام کی اولاد ہیں۔ اس میں عراق اور شام کے باشندوں کے علاوہ پورے جزیرہ نمائے عرب کے لوگ بھی آتے ہیں۔ اس سامی نسل کے اندر بھی بہت سے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے ہیں۔ قرآن مجید بار بار جن قوموں کا

تذکرہ کرتا ہے ان میں قومِ عاد اور قومِ ثمود کا تعلق اس سامی نسل ہی سے تھا' جن کی طرف بالترتیب حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے تھے۔ یہ دونوں رسول حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل کے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل حضرت حام اور حضرت یافث کی اولاد میں بھی انبیاء کا ہونا بالکل قرین قیاس ہے' لیکن چونکہ ریکارڈ موجود نہیں لہٰذا ہم تعین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہمیں کچھ حکماء کا تذکرہ تو ملتا ہے' مثلاً کنفیوشس کوئی بڑا حکیم و دانا انسان تھا' لیکن اس کا نبوت و رسالت کے ساتھ کوئی رشتہ و تعلق تھا یا نہیں' اس کے لئے کوئی ثبوت موجود نہیں۔ ہندوستان کے ایک عالم دین شمس نوید عثمانی صاحب نے اپنی ایک کتاب میں ایک نظریہ پیش کیا ہے جو بہت مدلل ہے۔ انہوں نے ہندوستان کی پرانی کتابوں اور سنسکرت کے اشلوکوں کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی نسل ہندوستان میں بھی آ کر آباد ہوئی اور حضرت نوح علیہ السلام کے ماننے والے ہندوستان میں موجود رہے ہیں۔ مہا نوح (The Great Noah) کا تذکرہ ان کے ہاں ''منو'' کے نام سے موجود ہے۔ عثمانی صاحب کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو جو صحیفے دیئے تھے اور جو شریعت عطا کی تھی اس کے باقیات الصالحات ''منوسمرتی'' نامی کتاب کی شکل میں موجود ہیں۔ یہ تمام چیزیں عین ممکن ہیں' قرینِ قیاس ہیں۔

اس کے علاوہ' جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے' عین قرینِ قیاس ہے کہ ان ساڑھے چار ہزار سال کے دوران حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے کوئی شاخ ہندوستان آ کر آباد ہوئی ہو۔ اس لئے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے دو بیٹوں کا تذکرہ آتا ہے: حضرت عیس یا عیسو' اور حضرت یعقوبؑ۔ یہ دونوں توام یعنی جڑواں بھائی تھے۔ پہلے حضرت عیس یا عیسو کی ولادت ہوئی' ان کے عقب میں یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ان کا نام یعقوبؑ اسی لئے مشہور ہوا۔ ''اور یعقوب اپنے بھائی عیسو کی ایڑیاں پکڑے ہوئے تولد ہوا''۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل یعنی بنی اسرائیل کے انبیاء کی تاریخ تو ہمیں ''عہد نامہ قدیم'' کے ذریعے ملتی ہے' لیکن حضرت عیس یا عیسو کا کیا معاملہ ہوا' اس کے بارے

میں تاریخ خاموش ہے۔ ان کی اولاد اَدوم کے علاقے کی نسبت سے اَدومی کہلاتی ہے' اور اُدمی کا لفظ ہندوستان کے ناموں میں کثرت کے ساتھ ملتا ہے۔ تو کوئی عجب نہیں کہ حضرت عیس کی نسل اس علاقے میں آباد ہوئی ہو اور ان کی نسل کے اندر کوئی نبی یا رسول آیا ہو۔

پھر یہ کہ ۷۲۰ ق م میں بنی اسرائیل کا جو خروج ہوا اس کے نتیجے میں ان کے کچھ قبائل لاپتہ ہو گئے تھے' جنہیں '' The lost tribes of the house of Israel'' کہا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں بھی گمان موجود ہے کہ ان کے کچھ قبائل یہاں آ کر آباد ہو گئے ہوں۔ اور مجھے تو گمان غالب کی حد تک محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ''برہما'' اور ''برہمن'' کا جو تصور ہے اس کا درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کوئی رشتہ ضرور ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی یہ بات میں نے کئی مرتبہ عرض کی ہے کہ ان کے نزدیک گوتم بدھ نبی تھے۔ قرآن مجید میں دو مرتبہ ''ذوالکفل'' کا تذکرہ آیا ہے۔ ان کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں ملتی کہ وہ کہاں پیدا ہوئے اور ان کی تاریخ کیا ہے۔ مولانا کا گمان یہ ہے کہ ''ذوالکفل'' دراصل کپل وسطو کا شہزادہ ہے۔ یہ ریاست نیپال کے علاقہ میں تھی اور ذوالکفل وہاں کے شہزادے تھے۔ اگر ایسا ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ یقیناً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن مجید کی نصِ قطعی کی رو سے حضرت ابراہیمؑ کے بعد نبوت اور کتاب حضرت ابراہیمؑ کی ذریت سے باہر ممکن نہیں۔ آیت زیر مطالعہ ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ کو سامنے رکھیں گے تو تحقیق کے بہت سے دروازے کھل جائیں گے' بہت سے گوشے نمایاں ہو جائیں گے۔ ایک انسان جب آسمانی ہدایت کی روشنی اور راہنمائی میں تحقیق کا سفر طے کرتا ہے تو صحیح تر نتائج تک اس کی رسائی ممکن ہے۔ اس موضوع پر گفتگو ہماری اگلی نشست میں جاری رہے گی۔

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم

بَصَل (پیاز)

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

بَصل: قرآنی نام	پیاز: فارسی، پنجابی، اُردو، ہندی
پالندو: سنسکرت	پیاج: بنگالی
گنڈا: کشمیری	کنڈا: گجراتی، مرہٹی
Onion: انگریزی	پیاز کا نباتاتی نام: Allium cepa Linn

قرآن مجید میں پیاز (بَصَل) کا ذکر صرف ایک مرتبہ آیا ہے اور خوب آیا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۱ آپ نے بارہا پڑھی ہوگی۔ ملاحظہ کیجئے:

﴿وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾﴾

''اور جب تم نے کہا: ''اے موسیٰ! ہم سے ایک ہی قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہ ہو سکے گا، اس لئے اپنے ربّ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں زمین کی پیداوار ساگ، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز دے''۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا: ''بہتر چیز کے بدلے ادنیٰ چیز کیوں طلب کرتے ہو؟ اچھا، شہر میں جاؤ۔ وہاں تمہاری چاہت کی یہ سب چیزیں ملیں گی''۔ اُن پر ذلت اور مسکینی ڈال دی گئی اور اللہ کا غضب لے کر وہ لوٹے۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے''۔

بَصل (پیاز) کو اِس آیت مبارکہ میں ادنیٰ درجے کی غذاؤں میں شامل کیا گیا ہے۔ بلاشبہ اس کی حیثیت بنی اسرائیل پر نازل ہونے والے ''من وسلویٰ'' سے کہیں کم تھی۔ ایک ہی غذا پر' خواہ وہ کتنی ہی عمدہ کیوں نہ ہو' اکتفا کیے رکھنا شاید انسانی فطرت میں شامل نہیں' لیکن بنی اسرائیل نے بہتر متبادل کی بجائے ایسی غذائیں طلب کیں جو ظاہری طور پر بھی اور فوائد کے اعتبار سے بھی کم تر درجے کی حامل تھیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مذکور متبادل غذاؤں میں بھی غذائی اور دوائی دونوں اعتبار سے فائدے رکھے ہیں۔ عالمِ انسانیت پر ان کے احسانات وانعامات کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ انہوں نے کرۂ ارض پر پیدا ہونے والی ہر چیز میں منفعت کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور رکھا ہے۔ ''تو تم اپنے ربّ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''

قرآن حکیم کے ساتھ ساتھ رسولِ کریم ﷺ کے اُسوۂ حسنہ سے چند مثالیں' اور آپ ﷺ کی چند مستند احادیث پیاز کے ضمن میں موجود ہیں۔ یہاں قارئینِ محترم کے مطالعے واستفادے کے لئے منقول ہیں:

(۱) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

((مَنْ اَکَلَ الْبَصَلَ وَالثُّوْمَ وَالْکُرَّاثَ فَلَا یَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلَائِکَۃَ تَتَاَذّٰی مِمَّا یَتَاَذّٰی مِنْہُ بَنُوْ اٰدَمَ)) [صحیح مسلم' کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ]

''جس نے پیاز' لہسن اور کرّاث کھایا ہو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔ اس لئے کہ فرشتوں کو بھی اُس چیز سے تکلیف پہنچتی ہے جس سے انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے''۔

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پیاز کے کھیت کے قریب سے گزرے۔ ان میں سے کچھ لوگ کھیت میں اتر گئے اور انہوں نے پیاز کھائے' لیکن دوسروں نے نہیں کھائے۔ پھر جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپؐ نے ان لوگوں کو اپنے قریب بلا لیا جنہوں نے پیاز نہیں کھائے تھے' جبکہ پیاز کھانے والوں کو اُس وقت تک دور رہنے کا حکم دیا جب تک اس کی بُو ختم نہ ہو جائے۔
(صحیح مسلم' کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

(۳) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں سے فرمایا: ''لوگو! تم یہ دو پودے پیاز اور لہسن کھاتے ہو' جبکہ میں نے تو نبی اکرم ﷺ کو دیکھا ہے کہ جب کسی آدمی سے اُن کی بُو آتی تو اُس کے بارے میں حکم دیتے اور اسے بقیع کی طرف نکال دیا جاتا۔ پس جو انہیں

کھائے وہ انہیں پکا کر بُو ختم کر لے''۔ (صحیح مسلم' کتاب المساجد۔ وسنن النسائی' کتاب المساجد)

(۴) معاویہ بن قرۃؓ اپنے والد صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان دو پودوں' یعنی پیاز اور لہسن (کو کھانے) سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا: ''جو اُن کو کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے''۔ اور فرمایا: ''اگر تمہیں یہ ضرور ہی کھانا ہوں تو انہیں پکا کر اُن کی بُو ختم کر لو''۔ (ابوداؤد' کتاب الاطعمۃ)

(۵) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک برتن لایا گیا جس میں پیاز تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کھاؤ! اور خود کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا: ''میں تمہاری مانند نہیں ہوں!'' (مسند احمد)

(۶) ابوزیاد خیار بن سلمہؒ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پیاز کے بارے میں دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا:

((اِنَّ آخِرَ طَعَامٍ اَكَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَعَامٌ فِيْهِ بَصَلٌ)) (ابوداؤد' کتاب الاطعمة)

''رسول اللہ ﷺ نے جو آخری کھانا تناول فرمایا تھا اُس کھانے میں پیاز موجود تھا۔''

(۷) یزید بن ابی حبیبؒ روایت کرتے ہیں کہ مرثد بن عبداللہؒ جب بھی مسجد آتے تو اپنے ساتھ کوئی چیز ضرور لے کر آتے جسے وہ صدقہ کرتے۔ ایک روز وہ مسجد آئے تو اُن کے ساتھ پیاز تھے۔ میں نے ان سے کہا: ابوخیر! اس شے کا آپ کیا کریں گے جو آپ کے کپڑے کو بدبُو دار کر دے گی؟ انہوں نے کہا: بھتیجے! اللہ کی قسم' میرے گھر میں اس کے علاوہ کوئی اور شے موجود نہ تھی جسے میں صدقہ کر سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ میں سے ایک صاحب نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ظِلُّ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَدَقَتُهُ)) (مسند احمد)

''قیامت کے دن مؤمن کا سایہ اس کا (دیا ہوا) صدقہ ہوگا۔''

علم نباتات میں پیاز اور لہسن دونوں ایک ہی خاندان ایلیم (Allium) سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس خاندان کی ساٹھ سے زیادہ اقسام آج بھی مصر اور دوسرے عرب ممالک میں اگائی جاتی ہیں۔ مصر قدیم میں لوگ پیاز اور لہسن بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ مصر میں اہرام کی تعمیر کے وقت (۳۷۰۰ قبل مسیح) مزدوروں کو موسمی اثرات کے گزند سے بچانے اور انہیں تندرست و توانا رکھنے کے لئے کھانے کے ساتھ پیاز' لہسن اور مولی دی جاتی تھی۔ ان تین ترکاریوں پر فرعون کے خزانے سے سالانہ اُس وقت کی رائج الوقت کرنسی کی رُو سے سولہ سو

سکّے خرچ ہوتے تھے' جن کی مالیت موجودہ زمانے کے مطابق تقریباً چالیس کروڑ روپے بنتی ہے۔اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ زمانہ قدیم ہی سے پیاز لوگوں کے کھانے کا جزو رہی ہے۔ پیاز کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ مصر اور وادیٔ دجلہ وفرات میں اس کی پرستش ہوتی تھی۔لوگ اپنے وعدوں کو پختہ بتانے کے لئے پیاز کی قسم کھاتے تھے۔البتہ اس کی خاص بُو کے باعث پیاز کھا کر عبادت گاہوں میں داخل ہونے کی ممانعت بھی تھی۔عام عقیدہ یہ تھا کہ پیاز کے چھلکوں کی طرح کائنات کی بھی کئی تہیں ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر چڑھی ہوئی ہیں۔ایک اور عقیدہ یہ بھی تھا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکل جانے کا حکم ہوا' تو زمین کے جس مقام پر ان کا پہلا قدم پڑا تھا' اس جگہ سے پیاز پھوٹ پڑی اور جس جگہ پر اُن کا دوسرا قدم پڑا تھا' اس سے لہسن اُگ آیا۔

ایشیا اور افریقہ کی بعض قدیم تہذیبوں میں پیاز اور لہسن کھانا بُرا خیال کیا جاتا تھا' کیونکہ اِن دونوں سے ایک خاص قسم کی بُو آتی ہے اور اِن کا ذائقہ بھی تلخ ہے۔

برعظیم پاک و ہند میں پیاز کی مقبولیت کا یہ حال ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا سالن ہو' جس کی تیاری میں سب سے پہلے پیاز استعمال نہ کی جاتی ہو۔گوشت ہو یا دالیں یا سبزیاں' پہلے پیاز بھونی جاتی ہے۔گھی کے تڑکے میں پیاز کا سرخی کی حد تک بھونا سالن کا پہلا مرحلہ ہے۔پیاز ہر سالن کا اہم جزو ہے۔غذائی فوائد کے علاوہ پیاز دوائی فائدے بھی رکھتی ہے۔یہ جراثیم کش ہے۔زہریلے اثرات سے بچاتی اور وبائی بیماریوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

طاعون وغیرہ وبائی اِمراض کے زمانے میں پیاز کو باریک باریک کاٹ کر سرکے میں ڈال کر یا لیموں کا رس شامل کر کے غذا کے ساتھ کھاتے ہیں' وبا سے حفاظت رہتی ہے۔سخت گرمی میں جب لُو لگنے کا اندیشہ ہو تو لُو سے بچنے کے لئے پیاز جیب میں رکھ لیتے ہیں۔پیاز کا سونگھتے رہنا بھی لُو سے بچانے کے لئے مفید ہے۔ہیضے کے مریض کو پیاز کا رس اور چونے کا پانی ایک ایک تولہ ملا کر دو دو تین تین گھنٹے کے وقفے سے پلانا مریض کو اِس مہلک مرض سے بچاتا ہے۔

حکیم محمد سعید شہید (صاحب ''ہمدرد'') کا نسخہ ہے کہ پیاز کا رس' خالص شہد' گھی ہر ایک دو تولے' دو انڈوں کی زردی' ان سب کو ایک پیالے میں ڈال کر چمچے سے پھینٹیں اور آگ پر پکا کر نہار مُنہ کھائیں۔اعلیٰ درجے کی مقوی غذائی دوا ہے۔

بھلبھلائی ہوئی پیاز اگر پھوڑے' پھنسیوں پر باندھی جائے تو وہ اُن کو پکا کر بہت جلد پھوڑ دیتی ہے۔اگر کان میں پھنسی ہو تو بھلبھلائی ہوئی پیاز کا رس ٹپکانے سے پھنسی پھوٹ جاتی ہے۔نزلہ اور زکام بند ہو تو پیاز کو تراش کر سونگھنے سے کھل جاتا ہے۔

حقیقتِ علم

مولانا سید وصی مظہر ندوی

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((مَنْ سَلَكَ طَرِیْقًا یَلْتَمِسُ فِیْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ طَرِیْقًا اِلَی الْجَنَّةِ))

حضرت ابوہریرہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بیان کیا کہ ''جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستے پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان بنا دیتے ہیں۔'' یہ حدیث پاک حدیث کی مشہور کتاب مسلم شریف میں ہے۔

''علم'' کے معنی ہیں ''جاننا''۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سا جاننا ہے جس سے جنت کا راستہ آسان ہو جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب سمجھے بغیر ہم حدیث پاک کا مطلب نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے یہاں پر کچھ دیر ٹھہر کر سوچنا ضروری ہے۔ ایک مثال سے اس بات کو ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ایک بڑا خوبصورت محل ہے' اس محل کے اندر ایک سے ایک اچھی' خوبصورت اور آرام دہ چیزیں ہیں۔ باغ ہے' کھانے پینے کا سامان ہے' فرنیچر ہے' بجلی کی مشینیں ہیں اور بہت سی عجیب عجیب چیزیں ہیں۔

اس محل میں دس' بیس آدمی اچانک پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک آدمی کھانے پینے کی چیزوں میں مشغول ہو گیا اور ہر چیز کا ذائقہ چکھ چکھ کر معلوم کرنے لگا۔ دوسرا آدمی باغ کی سیر کرنے لگا اور درختوں کی قسموں کا پتہ لگانے میں مگن ہو گیا۔ تیسرا آدمی وہاں کی بجلی کی مشینیں دیکھ کر اُن کی معلومات حاصل کرنے لگا کہ یہ مشینیں کیسے بنتی ہیں اور کیسے چلتی ہیں' اور ہر مشین کا کیا کام ہے؟

انہی آدمیوں میں سے ایک آدمی وہ ہے جو پہلے یہ پتہ چلاتا ہے کہ محل کا مالک کون ہے اور ہم کو اس محل میں اُس نے کیوں بلایا ہے' محل کے سامان کو کس طرح استعمال کرنے سے اس کا مالک خوش ہو گا اور کس طرح استعمال کرنے سے ناخوش ہو گا۔ اس لئے وہ سب سے پہلے مالک کا پتہ چلاتا ہے۔ پھر اس کی مرضی معلوم کرتا ہے اور پھر محل کے سامان کو اس طرح

استعمال کرتا ہے جس طرح کا استعمال مالک کو پسند ہے۔ ان سب آدمیوں کے حال پر اگر ہم غور کریں تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ علم تو ہر آدمی حاصل کر رہا ہے' لیکن اصلی علم اور مستقل فائدہ والا علم اُس آدمی کا علم ہے جو محل کے مالک کا پتہ چلا کر اس کی مرضی کے مطابق محل میں رہتا ہے۔ کیونکہ ایسا آدمی چاہے محل کی بہت سی چیزوں کو نہ جانتا ہو' بہت سے درختوں اور پودوں کے نام اس کو معلوم نہ ہوں' بہت سی مشینوں کو استعمال نہ کر سکتا ہو' لیکن پھر بھی محل کا مالک اس سے خوش ہوگا اور اس کو اعلیٰ رتبے تک پہنچائے گا۔

اس دنیا کا حال اسی مثال سے سمجھ لو۔ یہاں ایک علم تو اُن لوگوں کا ہے جو دنیا کی ایک ایک چیز کا الگ الگ علم حاصل کرتے ہیں۔ کوئی درختوں اور پودوں کا عالم ہے' کوئی جانوروں اور پرندوں کا عالم ہے' کوئی دریاؤں اور پہاڑوں کا عالم ہے' کوئی بھاپ اور بجلی کا عالم ہے۔ اور یہ سارے عالم اپنے اپنے علم میں ایسے گم ہیں کہ ان کے نزدیک دنیا بس وہی ہے جس کو انہوں نے جانا ہے۔ جیسے تین اندھوں نے ہاتھی کو اپنے اپنے ہاتھوں سے ٹٹول ٹٹول کر دیکھا تو ایک نے کہا کہ ہاتھی دیوار کا نام ہے۔ دوسرے نے کہا ہاتھی کھمبے کو کہتے ہیں۔ تیسرے نے کہا ہاتھی پنکھا ہے۔ دنیا کے عالموں کا حال یہی ہے۔

لیکن اصلی علم اور سچی کامیابی والا علم وہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا اور اس دنیا کا مالک کون ہے' اس نے ہمیں اس دنیا میں کس لئے پیدا کیا ہے' وہ کیا باتیں پسند کرتا ہے اور کیا ناپسند کرتا ہے؟ اسی علم کو حاصل کرنے سے جنت کا راستہ آسان ہوتا ہے۔ اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر:۲۸)

''اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف وہ لوگ ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں''۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین oo

تصحیح حکمت قرآن شمارہ اگست ۲۰۰۴ء میں اسلامک جنرل نالج ورکشاپ کے اختتام پر انوار الحق چوہدری صاحب کے خطاب کی تلخیص شائع ہوئی تھی۔ اس میں صفحہ نمبر ۶۲ پر دوسرے پیراگراف کا پہلا جملہ اس طرح پڑھا جائے: ''اگر آپ دس پندرہ منٹ روزانہ اس کورس پر صرف کریں تو سال بھر میں آپ پورے قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کے قابل ہو جائیں گے''

مصارفِ زکوٰۃ میں
فی سبیل اللہ کا مفہوم

ڈاکٹر یوسف القرضاوی

حکمت قرآن کے شمارہ نمبر ۴، ۵، ۶ اور ۷ (جلد ۲۳) بابت ماہ اپریل، مئی، جون اور جولائی ۲۰۰۴ء میں مصارفِ زکوٰۃ میں سے ''فی سبیل اللہ'' کی مد کے حوالے سے اب تک چار مضامین شائع کئے جا چکے ہیں۔ ان تحقیقی مضامین میں مؤلفین نے مسئلۂ مذکورہ کے بارے میں نہایت دلچسپ بحثیں کی ہیں۔ اگر ان بحثوں کو بطورِ خلاصہ پیش کیا جائے تو بات کچھ یوں بنتی ہے:

۱) فی سبیل اللہ کی مد کے حوالے سے مضمون نگار واضح پر دو طبقات میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جو ''فی سبیل اللہ'' کی تطبیق کے ضمن میں اس موقف کا حامل ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد صرف ''قتال فی سبیل اللہ'' ہے۔ ان کے پاس اپنی رائے کی تائید میں فقہائے متقدمین کی آراء سے قوی دلائل موجود ہیں۔ اس موقف کے حاملین اس حد تک اس مفہوم سے جڑے نظر آتے ہیں کہ وہ یہ رائے بھی دیتے ہیں کہ اگر قتال فی سبیل اللہ عملاً موقوف ہو تو مصارفِ زکوٰۃ کی یہ مد بھی ساقط رہے گی۔

۲) دوسرے طبقے میں دو طرح کی آراء پائی جاتی ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں حد درجہ توسّع کے قائل ہیں۔ وہ دین کے نام پر ہونے والے ہر کام کو ''فی سبیل اللہ'' کی صف میں شامل قرار دیتے ہیں۔ ان کی علماء و مفتیان سے بھی اپیل ہے کہ اس مسئلے پر جدید تقاضوں اور دین کی بے سروسامانی کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ایسا اجتہاد کیا جائے کہ زکوٰۃ کا اکثر پیسہ دین کی خدمت کے کاموں میں ہی صرف ہو۔

متوسّعین ہی میں سے ایک طبقے کی رائے یہ ہے کہ مصارفِ زکوٰۃ میں ''فی سبیل اللہ'' کی مد میں نہ تو ایسی وسعت ہے کہ دین کے نام پر ہونے والے ہر کام کو

محیط ہو اور نہ ہی اس میں ایسی تنگی ہے کہ سوائے قتال کے احیاءِ دین کے کسی دوسرے کام کے لئے اس رقم کو خرچ نہ کیا جا سکتا ہو۔ اس طبقے کے مضمون نگار اپنے حق میں جہاں متاخرین علماء کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں وہیں متقدمین کی آراء سے بھی توسع کے حق میں استشہاد کرتے ہیں۔ یہ رائے بظاہر ''درمیانی'' اور معتدل ہونے کے ساتھ ساتھ زیادہ عملی بھی نظر آتی ہے۔ اس رائے کے حامل فاضل مضمون نگار نے اپنی رائے کی تائید میں عالم اسلام کے آج کے معروف سکالر ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی شہرۂ آفاق کتاب ''فقہ الزکوۃ'' سے بھی اقتباسات پیش کئے ہیں۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی اس لحاظ سے منفرد شخصیت ہیں کہ وہ بیک وقت تحریکی ذہن بھی رکھتے ہیں اور عالم اور فقیہہ بھی ہیں۔ عالمِ عرب میں اس وقت اُن کی آراء کو بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ بینک انٹرسٹ کے مسئلے پر بھی وہ دیگر علماءِ عرب کی نسبت زیادہ سخت اور واضح موقف رکھتے ہیں۔ وہ بینک انٹرسٹ کو ربا الحرم سمجھتے ہیں اور اس میں کسی رعایت اور نرمی کے حامی نہیں ہیں۔ ذیل میں ان کی مذکورہ کتاب کے اردو ترجمہ از ساجد الرحمٰن صدیقی سے مکمل اقتباس قارئین کے استفادہ کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

قرآن کریم نے مصارفِ زکوۃ میں سے ساتویں مصرف کو فی سبیل اللہ (در راہِ خدا) سے تعبیر کیا ہے۔ پہلے ہم یہ دیکھیں گے کہ اس تعبیر کا کیا مقصود ہے اور کون لوگ اس سے مراد ہیں؟ اس لفظ کے لغوی معنی تو واضح ہیں کہ سبیل کے معنی طریق اور راستہ کے ہیں اور سبیل اللہ کے معنی ہیں وہ راستہ جس سے رضائے الٰہی اور اس کی خوشنودی حاصل ہو۔

علامہ ابن اثیرؒ فرماتے ہیں کہ سبیل اللہ کا لفظ عام ہے جو ہر اس عمل کو شامل ہے جس کا مقصود رضائے الٰہی ہو خواہ وہ عمل فرض ہو یا نفل یا مستحب۔ اور مطلقاً اس لفظ کا اطلاق جہاد پر ہوتا ہے اور اس معنی میں یہ لفظ اس کثرت سے استعمال ہوا ہے کہ اس کا مفہوم جہاد ہی متصور ہونے لگا ہے۔ (۱)

ابن اثیرؒ کی اس تشریح سے یہ امور واضح ہو گئے کہ:

۱) اس لفظ کے لغوی معنی ہر اس مخلصانہ عمل کے ہیں جو خالصتاً رضائے الٰہی کے لئے انجام دیا گیا ہو، خواہ وہ انفرادی عمل ہو یا اجتماعی۔

۲) اس کے عمومی معنی اور اکثری مفہوم جہاد ہے اور کثرتِ استعمال نے اسے اسی معنی میں

منحصر کر دیا ہے۔

اور ان دونوں معانی کے فرق کی بنا پر ہی فقہاء کے مابین اس کے مفہوم کے تعیّن میں اختلاف ہوا ہے' گو اس امر پر اجماع ہے کہ جہاد کے معنی بہر حال فی سبیل اللہ میں موجود ہیں' لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا جہاد ہی اس کا مفہوم ہے یا اس کے لغوی معنی بھی اس کے مفہوم میں داخل ہیں' بلکہ اس سے بڑھ کر ہر خیر اور برّ کا کام اس میں داخل ہے۔

اس سلسلے میں اب ہم فقہاء کی آراء اور اس لفظ کے شرعی مفہوم کے تعین میں ان کے اختلاف کو بیان کرتے ہیں اور اسی ضمن میں ہم وہ رائے بھی بیان کریں گے جسے ہم ترجیح دیتے ہیں۔

حنفیہ کا مسلک

امام ابو یوسفؒ فی سبیل اللہ سے وہ افراد مراد لیتے ہیں جو اپنی تنگدستی کی بناء پر' زادِ راہ ختم ہو جانے کی بنا پر یا سواری کے نہ ہونے کی بنا پر لشکرِ اسلام میں شامل ہو جانے سے عاجز ہوں اور کمانے کی قدرت رکھنے کے باوجود ان کے لئے زکوٰۃ جائز ہو گئی ہو' اس لئے کہ اگر وہ اس وقت کسب میں مصروف ہو جائیں تو جہاد میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔

امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مراد وہ افراد ہیں جو قافلۂ حج سے کٹ گئے ہوں' اس لئے کہ مروی ہے کہ ایک شخص نے اونٹ راہِ خدا میں دیا تو آپ ﷺ نے اس پر حاجی کو سوار کرانے کا حکم دیا اور اس لئے کہ سفرِ حج بھی اللہ کی اطاعت اور اس کے حکم کی تعمیل ہے اور اس میں نفس کا مجاہدہ بھی ہے اس لئے سفرِ حج فی سبیل اللہ ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد طلبۂ علم ہیں اور یہ قول فتاویٰ ظہیریہ میں درج کیا گیا ہے' مگر یہ قول اس لئے بعید ہے کہ جب آیتِ صدقات نازل ہوئی اس وقت ایسے افراد موجود نہیں تھے جنہیں طلبۂ علم کہا جائے۔ مگر اس کا جواب یہ دیا گیا ہے طلبِ علم سے مراد تو احکام شرعی کا علم ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی طالب علم اس مقصد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اور اصحابِ صُفّہ کے برابر نہیں ہو سکتا۔

الکاسانی' البدائع میں فرماتے ہیں کہ فی سبیل اللہ سے مراد تمام اطاعت اور تقرب (ثواب) کے اعمال ہیں' اور اللہ کی اطاعت کی سعی کرنے والے محتاج اور نیکوں کے راستے پر چلنے والے تنگدست اسی زمرہ میں داخل ہیں۔

البحر الرائق میں ابن نجیم تحریر کرتے ہیں کہ بہر حال فقر (تنگدستی) کی شرط لازمی

ہے۔ (۲)

اس پر صاحب المنار نے اپنی تفسیر (۳) میں کہا ہے کہ اس شرط کا یہ مطلب ہوگا کہ فی سبیل اللہ ایک مستقل مصرف کی حیثیت میں باقی نہ رہے کیونکہ تنگدستی کی شرط سے یہ مصرف فقراء اور مساکین کے مصرف میں تبدیل ہو جائے گا۔ (۴)

اس بیان کا ماحصل یہ ہوا کہ اگرچہ حنفی فقہاء کے مابین فی سبیل اللہ کی مراد کے تعین میں اختلاف ہے لیکن اس امر پر اتفاق ہے کہ فی سبیل اللہ کے مصرف میں احتیاج اور فقر ایک شرطِ لازم ہے' خواہ وہ غازی ہو یا حاجی ہو یا طالب علم یا خیرات کی سعی کرنے والا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اس اختلافِ رائے کو اختلافِ لفظی قرار دیا گیا ہے کہ ماسوائے عاملین کے جملہ مصارف پر زکوٰۃ اسی وقت صرف کی جاتی ہے جب وہ حاجت مند ہو۔

ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ فقیر محتاج کا زکوٰۃ میں مقررہ حصہ ہے' خواہ وہ فقیر ان اوصاف میں سے اور کسی وصف سے متصف ہو یا نہ ہو۔ اور اس وضاحت سے پھر یہی سوال سامنے آتا ہے کہ فی سبیل اللہ کو قرآن نے ایک مستقل صنف کیوں قرار دیا ہے اور اس مصرف کی جداگانہ حیثیت اور نوعیت کیا ہے؟

اسی طرح فقہائے حنفیہ کا اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کو شخصی ملکیت بنایا جائے اور اسی لئے زکوٰۃ کو تعمیر مسجد میں' پل وغیرہ بنانے اور راستوں کے درست کرنے میں اور حج اور جہاد کے کرایوں پر صرف کرنا درست نہیں ہے' بلکہ کسی بھی ایسے کام میں صرف کرنا درست نہیں ہے جس میں تملیک (ملکیت) نہ ہو' جیسے میت کا کفن اور مردہ شخص کے قرض کی ادائیگی۔ (۵)

مالکی مسلک کی رائے

قاضی ابن العربی احکام القرآن میں فی سبیل اللہ کی تفسیر میں امام مالکؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ فی سبیل اللہ کی متعدد صورتیں ہیں' لیکن میرے علم میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہاں پر جہاد مراد ہے۔ اور محمد بن الحکم کہتے ہیں کہ زکوٰۃ گھوڑوں' ہتھیاروں اور آلاتِ حرب پر خرچ کی جائے گی اور دشمن کو اس کے اقدام سے روکنے کے لئے صرف کی جائے گی۔ چنانچہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سہل بن ابی ثم کے واقعہ میں شورش کو فرو کرنے کے لئے زکوٰۃ کے سو اونٹ عطا فرمائے۔ (۶)

متن خلیل کی شرح الدردیر میں ہے کہ زکوٰۃ میں سے مجاہد کو ہتھیار اور گھوڑا خریدنے کے لئے دیا جائے گا خواہ مجاہد غنی کیوں نہ ہو' اس لئے کہ جہاد کے وصف کے ساتھ فقر کا وصف ہونا

لازمی نہیں ہے اور زکوٰۃ میں اس جاسوس کو بھی دیا جاسکتا ہے جو دشمن کی خبریں پہنچائے' خواہ وہ کافر ہو' لیکن کافروں سے بچنے کے لئے زکوٰۃ کی مد سے شہر پناہ کی دیوار بنانا یا مقابلے کے لئے جانے کے لئے سواری بنانا جائز نہیں ہے۔ (۷)

الدسوقی اپنے حاشیہ میں تحریر کرتے ہیں کہ زکوٰۃ سے شہر پناہ کی دیوار کے بنانے اور مقابلہ کے لئے جانے کے لئے کوئی مرکب بنانے کے عدم جواز کا قول صرف ابن بشیر کا ہے جبکہ اس کے بالمقابل رائے ابن عبدالحکم کی ہے۔ اللخمی نے اس کے علاوہ کوئی رائے تحریر نہیں کی ہے اور اسے التوضیح میں بیان کیا ہے۔ اور ابن عبدالسلام کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے۔ (۸)

غرض مسلکِ مالکؒ درج ذیل امور پر مشتمل ہے:

۱) ان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ فی سبیل اللہ جہاد سے متعلق ہے اور وہ سب امور اس میں آتے ہیں جو جہاد سے متعلق ہوں' جیسے جہاد کے گھوڑے تیار کرنا وغیرہ' جبکہ فقہائے احناف کے مابین جہاد' حج اور طلبِ علم اور تمام امور ثواب کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کون سے امور فی سبیل اللہ ہیں۔

۲) مسلکِ مالکؒ کے فقہاء مجاہد اور مرابط کے غنی ہونے کے باوجود اس کو زکوٰۃ میں سے دیئے جانے کے قائل ہیں۔ (بخلاف فقہائے احناف کے) اور ان کی یہ رائے ظاہر قرآن کے مطابق ہے کہ قرآن نے اسے مستقل مصرف قرار دیا ہے اور فقراء اور مساکین کے مصرف کو ایک جداگانہ مصرف بیان کیا ہے اور یہی امر سنتِ نبویؐ سے بھی ہم آہنگ ہے کہ سنّت میں مصارفِ زکوٰۃ کے بیان میں غازی فی سبیل اللہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

ابن العربی نے حنفیوں کے غازی کے فقر کے ساتھ مشروط کرنے کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ نص پر اضافہ ہے جو کہ ان کے نزدیک نسخ ہے اور قرآن کا نسخ قرآن سے یا سنتِ متواترہ ہی سے ہوسکتا ہے۔ (۹)

۳) مسلک مالک کے جمہور فقہاء کے نزدیک زکوٰۃ کو ہتھیاروں' گھوڑوں' شہر پناہوں اور جنگی کشتیوں کے بنانے پر صرف کیا جاسکتا ہے اور ان کے نزدیک بھی فقہائے احناف کی طرح یہ نہیں ہے کہ زکوٰۃ صرف مجاہدین اشخاص ہی پر صرف کی جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس بارے میں مالکی فقہاء کی رائے قرآن کی تعبیر سے زیادہ قریب ہے' کیونکہ قرآن میں اس مصرف کا ذکر ''فِی'' کے ساتھ ہوا اور ''لام تملیک'' کے ساتھ نہیں ہوا ہے کہ اس تعبیر سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مجاہدین اشخاص سے پہلے زکوٰۃ جہاد کے مصالح میں

صرف ہونی چاہئے۔

شافعی فقہاء کا مسلک

امام نوویؒ کی ''المنہاج'' اور اس کی ابن حجرؒ کی شرح میں ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' وہ مجاہدین ہیں جو حکومت سے باقاعدہ تنخواہیں نہ لیتے ہوں اور وہ از خود جہاد میں شریک ہوں' کیونکہ اگر ان کو تنخواہیں ملتی ہیں تو وہ اپنے پیشہ اور حرفت میں مصروف ہیں۔ فی سبیل اللہ کا مقصود ہر وہ کارِ نیک ہے جس سے رضائے الٰہی مقصود ہو' بعد میں یہ مطلق جہاد کے معنی میں استعمال ہونے لگا اور بعد میں اس سے مقصود وہ مجاہدین ہو گئے جو بلا معاوضہ خدمتِ جہاد انجام دے رہے ہوں کہ یہ مجاہدین دوسرے مجاہدین سے درجہ فضیلت رکھتے ہیں (۱۰)۔ یہ مجاہدین اگر چہ غنی بھی ہوں تو بھی زکوٰۃ کی اس مد سے اُن کی اعانت کی جائے گی۔

امام شافعیؒ نے الاُمّ میں تصریح کی ہے کہ صدقہ دہندگان کے پڑوسیوں میں سے جو افراد جہاد کریں انہیں فی سبیل اللہ کی مد سے دیا جائے گا' خواہ وہ غنی ہوں یا فقیر اور ان کے سوا اس مد میں سے کسی کو نہیں دیا جائے گا' الا یہ کہ جو افراد ان سے مشرکین کا دفاع کریں اور وہ حاجت مند ہوں تو انہیں دیا جائے گا۔ (۱۱)

امام شافعیؒ نے صدقہ دہندگان کے پڑوسیوں (جیرانُ الصَّدَقة) کی شرط اس لئے لگائی ہے کہ ان کے نزدیک ایک شہر سے دوسرے شہر زکوٰۃ منتقل کرنا درست نہیں ہے۔

امام نوویؒ الروضۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ غازی کی روانگی' اس کی آمد اور اس کے سرحدی مقام پر قیام کے دوران کے اخراجات زکوٰۃ کی فی سبیل اللہ کی مد سے ادا کئے جائیں گے لیکن اگر سفر کے اخراجات زیادہ ہوں تو کیا تمام ادا کئے جائیں گے؟ اس بارے میں ہر دو اقوال ہیں۔ اگر مجاہد شاہ سوار ہو تو اس کو گھوڑے کی خریداری کے لئے دیا جائے گا اور اسی طرح آلاتِ ضرب وقتال پر صرف کیا جائے گا اور اسے گھوڑا اور ہتھیار کرائے پر لینے کی بھی اجازت ہوگی اور یہ صورت مال (زکوٰۃ) کی کمی بیشی کے ساتھ مختلف ہو سکتی ہے۔ اور اگر مجاہد پیادہ ہو تو اسے گھوڑے کی خریداری کے لئے رقم نہیں دی جائے گی۔

النووی المفتاح کی شرح میں کہتے ہیں کہ غازی کو اس کے اخراجات اور اس کی آمد و رفت کے اخراجات اور اس کے گھر والوں کے اخراجات دیئے جائیں گے۔ اگر چہ جمہور فقہاء نے اہل خانہ کے اخراجات سے سکوت اختیار کیا ہے' لیکن [illegible] ان اخراجات کا دیا جانا بعید از قیاس نہیں ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو اسے سواری اجرت پر لے دے اور چاہے تو اسے گھوڑا خرید کر دے دے اور اسے فی سبیل اللہ وقف کر دے کہ وقتِ ضرورت دوسرے مجاہد کو عاریتاً دے دیا جائے' اور جب وہ جہاد سے فارغ ہو جائے تو گھوڑا بیت المال کو واپس کر دے۔ (۱۲)

اس مقام پر فقہائے شافعیہ فرماتے ہیں کہ اگر فئے معدوم ہو جائے اور امام (حکومت) کے پاس مُرتزِقہ (تنخواہ پانے والے فوجیوں اور مجاہدین) کے لئے کچھ بھی نہ ہو تو کیا انہیں زکوٰۃ کے فی سبیل اللہ کے حصے سے کچھ دیا جا سکتا ہے؟ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں دو اقوال ہیں' اور ظاہر قول یہ ہے کہ انہیں زکوٰۃ میں سے کچھ نہیں دیا جائے گا بلکہ اغنیاءِ مسلمین پر ان کی اعانت لازم ہوگی۔ (۱۳)

اور اگر اغنیاء (دولت مند) نہ دیں یا ان کے پاس زائد مال نہ ہو اور امام کے پاس اہلِ فئے کے علاوہ نہ ہوں تو کیا وہ اپنی ضرورت کے مطابق زکوٰۃ سے لے سکتے ہیں؟

ابن حجر نے شرح المنہاج میں کہا ہے کہ یہ جائز ہے۔ (۱۴)

یہاں پر ہمارے نزدیک قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ شافعیہ کا مسلک اس مصرف کے جہاد اور مجاہدین ہی پر خرچ کرنے کے بارے میں مالکیہ کے مسلک کے مطابق ہے' اور اس امر کے جواز میں بھی ہر دو مسلک ہم آہنگ ہیں کہ مجاہد اگرچہ غنی ہو پھر بھی اسے جہاد میں مدد دی جائے اور اسے ہتھیار اور جنگی سامان فراہم کیا جائے۔

مگر دو امور میں مسلک شافعیؒ حنفی مسلک کے برخلاف ہے۔

۱) ایک یہ کہ ان کے نزدیک زکوٰۃ میں صرف کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مجاہدین رضا کار ہوں اور ان کو پبلک خزانے سے کوئی تنخواہ یا حصہ نہ ملتا ہو۔

۲) اس حصہ پر (فی سبیل اللہ) فقراء اور مساکین کے حصوں سے زیادہ خرچ کرنا درست نہیں ہے' کیونکہ امام شافعی کے نزدیک مصارف کے جملہ اقسام میں مساوات ضروری ہے۔

مسلک حنبلی

مسلکِ حنبلی میں بھی شافعی مسلک کی طرح فی سبیل اللہ سے مراد رضا کار غازی ہیں جن کو حکومت سے کوئی تنخواہ نہ ملتی ہو یا اگر انہیں کچھ ملتا ہو تو ان کے لئے ناکافی ہو۔ بایں صورت مجاہد کو برائے جہاد بقدر کفایت دیا جائے گا اگرچہ وہ غنی ہو' اور اگر عملاً وہ شریکِ جہاد نہ ہوا تو جو اس نے لیا ہے وہ واپس کرے گا۔ نیز سرحدوں کی نگرانی اور حفاظت بھی ان کے نزدیک جہاد

ہے اور اس کو بھی فی سبیل اللہ کی مد سے حصہ ملے گا۔

''غایۃ المنتہیٰ'' اور اس کی شرح میں مذکور ہے کہ امام (حکومت) کے لئے یہ بھی درست ہے کہ وہ مجاہد کو زکوٰۃ سے گھوڑا خرید کر دے دے تاکہ وہ اس پر جہاد کر سکے اگرچہ وہ خود صاحب نصاب زکوٰۃ ہو' کیونکہ وہ اپنی زکوٰۃ امام (حکومت) کو دے کر بری ہو چکا ہے۔ نیز اسی طرح امام کے لئے یہ بھی درست ہے کہ وہ مجاہدین کو جہاز اور کشتیاں خرید کر دے کیونکہ یہ بھی بہرحال مجاہدین کی ضرورت ہیں اور مسلمانوں کے مفاد میں ہیں اور امام مسلمانوں کے مفاد کے مطابق اور ان کے مصالح کے موافق اقدامات کرنے کا مجاز ہے۔

جبکہ مال کے مالک کو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی زکوٰۃ میں سے گھوڑا خرید کر اسے فی سبیل اللہ کی مد میں مجاہد کو دے دے یا زمین غازیوں (مجاہدین) کے لئے وقف کر دے کیونکہ یہ ایتاء (ادائے زکوٰۃ) مامور بہ نہیں ہے (اس کا حکم نہیں ہے)۔ (۱۵)

مگر حج کے بارے میں امام احمدؒ سے دو روایات مروی ہیں:

ایک یہ کہ فی سبیل اللہ کی زکوٰۃ کی مد سے حج ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی فقیر کو زکوٰۃ میں سے دے دے تاکہ وہ اس سے حج کرے یا حج میں اسے امداد ہو جائے کیونکہ اُم معقل اسدیہ کی حدیث ہے کہ ''اُن کے شوہر نے ایک اونٹ فی سبیل اللہ (زکوٰۃ) علیحدہ کر دیا۔ اُن کا ارادہ عمرہ کا تھا اس لئے انہوں نے اپنے شوہر سے اونٹ مانگا مگر انہوں نے انکار کیا' اس پر وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں اور آپؐ سے ذکر کیا۔ آپؐ نے ان کے شوہر کو حکم دیا کہ وہ یہ اونٹ ان کو (سواری کے لئے) دے دیں اور فرمایا کہ حج اور عمرہ بھی فی سبیل اللہ ہیں''۔ (۱۶)

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی مروی ہے اور اسحٰق کا قول بھی اسی کے موافق ہے۔

دوسری رائے جمہور کے قول کے مطابق یہ ہے کہ زکوٰۃ میں سے حج پر صرف نہیں کیا جائے گا۔

ابن قدامہ المغنی میں کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے۔ اس لئے کہ مطلق فی سبیل اللہ سے جہاد ہی مراد ہوتا ہے اور سوائے چند مقامات کے قرآن میں بھی جہاد ہی مراد ہے' اس بنا پر آیت (صدقات) میں وارد فی سبیل اللہ سے جہاد ہی مراد ہوگا کہ یہی اس آیت کا ظاہر بھی ہے۔ نیز اس لئے کہ حج کے مصارف کی دو نوعیتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جن لوگوں کو اس کی احتیاج ہو' جیسے فقراء' مساکین' رقاب اور مقروض (غارمین)۔ اور دوسرے وہ جن پر صرف کرنے کی

مسلمانوں کو احتیاج ہو' مثلاً عامل' غازی' مؤلف' اصلاحِ ذات البین کی خاطر مالی بوجھ برداشت کرنے والا۔ جبکہ فقیر کو حج کرانا نہ تو فقیر کی احتیاج ہے کہ اس پر حج فرض نہیں ہے' نہ اس پر حج کی فرضیت میں مصلحت ہے بلکہ یہ ایک بوجھ ہے جس سے اللہ نے رخصت دی ہے اور نہ ہی فقیر کو حج کرانا مسلمانوں کی احتیاج ہے۔ اس لئے اس زکوٰۃ کو اصنافِ زکوٰۃ میں حاجت مندوں پر صرف کرنا چاہئے یا مسلمانوں کے مصالح میں دینا چاہئے۔ (۱۷)

ابنِ قدامہ کا یہ بیان بڑا واضح ہے اور اس پر کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔

جس حدیث پر امام احمدؒ کی پہلی رائے کی بنیاد قائم ہے' اس کی سند ضعیف ہے' اور اگر اسے صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو بھی مسلک شافعیؒ کے فقہاء نے کہا ہے کہ حج کے سبیل اللہ ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہے' لیکن آیتِ صدقات میں زکوٰۃ کی جو مدفی سبیل اللہ کے عنوان سے ذکر ہوئی ہے اس کے ذیل میں حج نہیں آتا۔ نیز حدیث ''پانچ کے سوا زکوٰۃ حلال نہیں ہے'' میں غازی فی سبیل اللہ کا ذکر آیا ہے جس سے آیتِ صدقات کا مفہوم متعین ہو جاتا ہے۔ نیز زیرِ بحث حدیث میں اونٹ کو فی سبیل اللہ صدقہ قرار دیا گیا' جیسا کہ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ان کے شوہر نے ''اس اونٹ کے اللہ کی راہ کے لئے ہونے کی وصیت کی'' اور ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ''اس شخص کے لئے جو اس پر حج کرے'' اور اگر یہ فرض کرلیں کہ وہ زکوٰۃ ہی کا اونٹ تھا تو یہ احتمال ہے کہ جس کو یہ اونٹ دیا گیا تھا وہ خود فقیر ہو اور اس سے انتفاع کا مستحق ہو' یا اس نے اسے بغیر مالک بنائے سوار کرایا ہو۔ (۱۸)

اس مصرف کے بارے میں چاروں مسالک کے متفقہ امور

گزشتہ بیان سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ چاروں مسالک درج ذیل تین امور پر متفق ہیں:

۱) جہاد قطعی طور پر فی سبیل اللہ کی زکوٰۃ کی مد میں شامل ہے۔

۲) زکوٰۃ مجاہدین پر صرف کرنا جائز ہے۔ جبکہ سامانِ جہاد اور مصالحِ جہاد پر صرف کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔

۳) زکوٰۃ کو دیگر رفاہی اور اصلاحِ عامہ (Public Welfare) میں صرف کرنا جائز نہیں ہے' مثلاً پلوں اور بندوں کی تعمیر' مساجد اور مدارس کی تشکیل' راستوں کی درستگی اور (لاوارث) مُردوں کی تکفین وغیرہ۔ بلکہ ان امور کو فئے اور خراج جیسے بیت المال کے دیگر آمدنی کے ذرائع سے پورا کیا جائے گا۔

اور ان مصارف میں زکوٰۃ کو خرچ کرنا اس لئے جائز نہیں ہے کہ اس میں بقول حنفیہ

تملیک نہیں ہوتی یا بقول دیگر فقہاء یہ مدات آٹھ مصارف زکوٰۃ میں شامل نہیں ہیں۔

البدائع میں جو یہ کہا گیا ہے کہ (زکوٰۃ) تمام طاعتوں اور عبادتوں میں صرف ہو سکتی ہے تو وہاں انہوں نے ایک شخص کی تملیک کی شرط لگائی ہے' اس لئے اسے کسی عام ادارہ کو نہیں دیا جا سکتا' نیز انہوں نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ یہ لینے والا شخص فقیر ہو۔ اس لحاظ سے یہ رائے بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جس پر سبیل اللہ کے مفہوم کو محدود کرنے والوں کی رائے دلالت کرتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اپنی اس رائے میں منفرد ہیں کہ انہوں نے مجاہد کے لئے فقر کی شرط عائد کی ہے۔ جیسا کہ امام احمدؒ اپنی اس رائے میں منفرد ہیں کہ انہوں نے حج اور عمرہ پر زکوٰۃ کے صرف کو جائز کہا ہے۔

بہر حال شافعی اور حنبلی مسلک کے فقہاء اس امر پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ لینے والے مجاہدین رضا کار ہوں اور باقاعدہ فوجی نہ ہو اور ان کے نام (تنخواہوں کے لئے) حکومت کے رجسٹر میں درج نہ ہوں۔

نیز فقہائے احناف کے علاوہ جملہ فقہاء اس امر پر بھی متفق ہیں کہ زکوٰۃ کو فی الجملہ مصالح جہاد پر صرف کرنا بھی درست ہے۔

سبیل اللہ کے مفہوم میں وسعت اختیار کرنے والے فقہاء

قدیم و جدید فقہاء میں سے بعض نے سبیل اللہ کے مفہوم کو جہاد تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ ان کے نزدیک تمام امورِ خیر' جملہ بھلائی کے کام اور عبادت اور حصولِ تقرب کے اعمال بھی سبیل اللہ میں داخل ہیں کہ لفظ کا لغوی مفہوم یہی ہے۔

قفال کی رائے

امام رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ فی سبیل اللہ کا ظاہری لفظ غازیوں کے لئے محدود نہیں ہے۔ اس لئے قفال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء سے نقل کیا ہے کہ صدقات (زکوٰۃ) کا تمام خیر کے کاموں میں صرف کرنا جائز ہے بلکہ اسے مُردوں کی تکفین' حفاظتی قلعے بنانے اور تعمیر مساجد میں صرف کرنا بھی درست ہے' اس لئے کہ فی سبیل اللہ ان تمام کے لئے عام ہے۔ (۱۹)

لیکن قفال نے یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ فقہاء کون ہیں' حالانکہ محققین کے نزدیک فقیہہ مجتہد

کے لئے استعمال ہوتا ہے' مگر رازیؒ نے بھی اس پر کوئی گرفت نہیں کی' جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید امام رازیؒ بھی اسی جانب جھکاؤ اور میلان رکھتے ہیں۔

حضرت انسؓ اور حضرت حسن بصریؒ کی جانب اس رائے کا انتساب

ابنِ قدامہ نے المغنی میں اس رائے کو انس بن مالکؓ اور حسن بصریؒ کی طرف منسوب کیا ہے اور ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

''جو زکوٰۃ قلعوں اور راستوں پر صرف کی جائے (دی جائے) وہ زکوٰۃ درست ہے''۔ (۲۰)

اس عبارت کا ظاہری مفہوم تو یہی ہے کہ ان امور پر صرف کی جانے والی زکوٰۃ جائز ہے۔ لیکن ابوعبیدؒ نے اس کا ایک اور مفہوم بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنی زکوٰۃ لے کر عاشر کے پاس سے گزرے اور اس سے عاشر یہ زکوٰۃ لے لے' جو کہ ولی امر (حکومت) کی جانب سے مقرر ہوں اور پلوں اور راستوں پر متعین ہوں تا کہ وہ اہلِ حرب مستامن سے' اور ذمی تاجروں سے اور مسلمانوں سے عائد شدہ تجارتی ٹیکس وصول کریں' جیسا کہ آج کل کی چنگی ہوتی ہے کہ وہ بالعموم گزرگاہوں کے ناکوں پر بنائی جاتی ہے۔

ابوعبیدؒ نے تابعین وغیرہ کے بھی اقوال نقل کئے ہیں' مثلاً ابراہیم' شعبی' ابوجعفر الباقر' ان اقوال سے بھی اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے' یعنی عاشر جو لے لے اس کا زکوٰۃ میں شمار کر لینا۔ جبکہ حسن سے صراحتاً یہ قول منقول ہے' مگر میمون بن مہران کی رائے اس کے برخلاف ہے کہ وہ اپنے مال کی زکوٰۃ علیحدہ دیتے تھے اور عاشر کے لئے ہوئے کو زکوٰۃ میں شمار نہیں کرتے تھے۔ لیکن ابوعبید کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک انسؓ' حسن' ابراہیم' شعبی اور محمد بن علی ہی کی رائے درست ہے اور یہی لوگوں میں مقبول ہے۔ (۲۱)

ابوعبید کی طرح ابن ابی شیبہ نے بھی ''باب من قال یحتسب بما اخذ العاشر'' میں ان دونوں کی رائے نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رائے کا ابن قدامہ کا انسؓ اور حسنؒ کی طرف منسوب کرنا ثابت نہیں ہے۔ (۲۲)

امامیہ جعفریہ کی رائے

مسلک امامیہ جعفریہ کی کتب میں سے ''المختصر النافع'' میں ہے کہ:

''ہر تقرب اور مصلحت کا کام مثلاً حج جہاد اور پلوں کا بنانا فی سبیل اللہ ہے' مگر ایک قول

یہ بھی ہے کہ فی سبیل اللہ کی مد صرف جہاد کے ساتھ مختص ہے۔"(۲۳)

"جواہر الکلام فی شرح شرائع الاسلام" میں ہے جو کہ فقہ جعفریہ کی موسوعہ (انسائیکلوپیڈیا) ہے کہ تمام مصالح پر مشتمل اور مثلاً پلوں کی تعمیر، حج اور تمام امورِ خیر میں صرف کرنا فی سبیل اللہ ہے اور یہی عام متاخرین کی رائے ہے اور اس کی تائید خود ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے اس لئے کہ سبیل کے معنی تو راستے کے ہیں اور جب سبیل کے لفظ کی اضافت اللہ کی جانب ہوگی تو اس کا مفہوم یہی ہوگا کہ ہر وہ کام جو رضائے الٰہی اور حصولِ ثواب کے لئے ہو۔ اور اس میں جہاد بھی شامل ہے۔(۲۴)

فقہائے زیدیہ کی رائے

زیدیہ مسلک کی کتاب "الروض النضیر" جس میں امام زید کے اقوال کی شرح کی گئی ہے، بیان کیا گیا ہے کہ مُردے کے کفن اور مسجد کی تعمیر میں زکوٰۃ صرف نہیں کی جائے گی اور جو لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک عموم کے ساتھ تمام امورِ خیر فی سبیل میں داخل ہیں، اگرچہ جہاد کے مفہوم میں اس کا استعمال زیادہ ہوگیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اوائل اسلام میں جہاد زیادہ درپیش تھا لیکن اس کے ساتھ دوسرے امورِ خیر کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا تھا اور حقیقتِ عرفیہ کے لحاظ سے اب تک اپنی پہلی وضع پر باقی ہے اور اس میں تقرب کی تمام انواع داخل ہیں کہ مصالح عامہ اور خاصہ کا اقتضاء بھی یہی ہے تا آنکہ کسی دلیل کی بنا پر اس کی تخصیص ہو۔ اور یہ البحر کی عبارت ہے جب تک کوئی دلیل تخصیص موجود نہ ہو فی سبیل اللہ اپنے عموم پر مشتمل ہے۔(۲۵)

غرض "البحر" اور "الروض" کے مصنفین کے نزدیک سبیل اللہ کے مفہوم میں وسعت راجح ہے۔

شرح الازھار میں ہے کہ اس صنف میں یہ بھی جائز ہے کہ زکوٰۃ کا بقیہ عام مصالح مسلمین پر صرف کیا جائے، امام الہادی نے بھی تصریح کی ہے اور ابوطالب نے کہا ہے کہ فقراء کے غناء کے باوجود بھی ان مصالح میں صرف کیا جانا چاہئے کہ اگر فقیر محتاج موجود ہو تو وہ زکوٰۃ کا زیادہ حق دار ہے۔ بعض کے نزدیک یہ شرط درجۂ استحباب میں ہے ورنہ اگر فقراء کی موجودگی کے باوجود (مصالح پر) صرف کی جائے تو بھی جائز ہے۔

حواشی الازھار میں البحر سے نقل کیا گیا ہے کہ مصالح پر صرف کے لئے یہ ضروری نہیں کہ سبیل اللہ کی مد سے زکوٰۃ بچ گئی ہو بلکہ آٹھوں مصارف میں سے بچی ہوئی رقم مصالح پر

صرف ہوسکتی ہے' جیسا کہ اموالِ مصالح (Welfare Funds) سے فقراء پر صرف کیا جاسکتا ہے۔ (۲۶)

الروضۃ الندیہ کے مصنف کی رائے

مسلک اہلِ حدیث کے فقیہہ نواب صدیق حسن خان اپنی تصنیف الروضۃ الندیہ میں لکھتے ہیں کہ سبیل اللہ سے مراد رضائے الٰہی کے لئے اختیار کیا جانے والا راستہ ہے' جہاد بھی رضائے الٰہی کا سب سے عظیم طریقہ ہے' لیکن اس تخصیص کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ زکوٰۃ کے فی سبیل اللہ کے مصرف سے صرف جہاد مراد ہے' بلکہ اس حصہ زکوٰۃ کو کسی بھی رضائے الٰہی کے کام پر صرف کیا جاسکتا ہے۔ یہی آیت میں وارد فی سبیل اللہ کے لغوی معنی ہیں اور جب تک از روئے شرع کسی اور مفہوم کے بارے میں نقلی دلیل موجود نہ ہو لفظ اپنے عموم پر ہی برقرار رہتا ہے۔ پھر ان علماء پر صرف کرنا جو مسلمانوں کی دینی خدمات کی انجام دہی میں مصروف ہوں فی سبیل اللہ ہے کیونکہ ان کا بھی اللہ کے مال میں حصہ ہے خواہ وہ اغنیاء ہوں خواہ فقراء۔ بلکہ ان پر صرف کرنا زیادہ اہم ہے کہ علماء ورثۃ الانبیاء ہیں اور حاملینِ دین ہیں اور انہی کے ذریعے اللہ سبحانہٗ دین کی اور شریعت کی حفاظت فرماتا ہے۔ (۲۷)

جدید علماء کی آراء

القاسمی کی رائے

شیخ جمال الدین قاسمی اپنی تفسیر میں رازیؒ کا قول درج کرتے ہیں کہ فی سبیل اللہ کا لفظ مجاہدین اور غازیوں کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ اس کے بعد انہوں نے قفال کی رائے نقل کی ہے اور التاج کے مصنف کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''ہر وہ کام جس سے خدا کی رضا مقصود ہو فی سبیل اللہ میں داخل ہے''۔ (۲۸)

ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد قاسمی نے ان پر سکوت اختیار کیا ہے جس سے احساس ہوتا ہے کہ وہ ان اقوال سے متفق ہیں۔

رشید رضا اور شلتوت کی آراء

تفسیر المنار کے مصنف سید رشید رضا آیت صدقات کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ درست یہی ہے کہ فی سبیل اللہ سے یہاں مسلمانوں کے مصالح عامہ ہی مراد ہیں جن سے دین و ریاست کے معاملات استوار ہوں اور افراد مراد نہیں ہیں۔ چنانچہ افراد کا حج بھی فی سبیل اللہ نہیں ہے'

اس لئے کہ حج صاحبِ استطاعت ہی پر فرض ہے' نیز یہ کہ حج فرضِ عین ہے جس طرح کہ نماز اور روزہ ہے اور مصالح دینیہ سے نہیں ہے' جبکہ حج کا قائم کرنا شعائرِ اسلام میں سے ہے' اس لئے فی سبیل اللہ کی مدّ کی زکوٰۃ حج کے راستے کو پُر امن بنانے' حج کے دنوں میں پانی اور غذا کی فراہمی کا بندوبست کرنے اور حاجیوں کی صحت کا انتظام کرنے پر صرف کی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس کا کوئی اور مصرف نہ ہو۔ (۲۹)

اس کے بعد سید رشید رضا لکھتے ہیں کہ (۳۰) فی سبیل اللہ کی مد ان تمام عام شرعی مصالح پر مشتمل ہے جو ریاست اور دین کا جزو اہم ہوں۔ ان میں سے سب سے اوّل جنگی صلاحیت فراہم کرنا' اسلحہ خریدنا' لشکر کی غذائی ضرورت پوری کرنا' غازیوں کو مسلح کرنا اور نقل وحمل کے اسباب فراہم کرنا شامل ہے (ظاہر ہے کہ یہاں اسلامی جنگ اور وہ اسلامی لشکر مراد ہے جو صرف اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے جنگ کر رہا ہو) اسی طرح کی رائے پہلے محمد بن الحکم کی گزر چکی ہے۔ غازی کو مسلح کرنے کی ایک شرط یہ ہے کہ غازی جنگ سے واپس آ کر ہتھیار اور گھوڑا بیت المال میں جمع کرا دے' اس لئے کہ یہ اشیاء اس کی دائمی ملکیت نہیں بنی ہیں بلکہ صرف اسے راہِ خدا میں استعمال کے لئے دی گئی ہیں۔

فی سبیل اللہ کے عموم میں فوجی ہسپتال اور عام فلاحی ہسپتال کا قیام' شاہراہیں بنانا' فوج کی نقل وحرکت کے لئے ریلوے لائن بنانا' سنگین مورچہ تعمیر کرنا' فوجی مقاصد کے ہوائی اڈے' خندقیں اور دمدے بنانا بھی داخل ہیں۔

ہمارے دور میں تو فی سبیل اللہ کی ایک اہم مدّ دعوتِ اسلام کے لئے افراد کا تیار کرنا بھی ہے تاکہ منظم جمعیتیں انہیں بلادِ کفار میں بھیجیں اور وہ وہاں جا کر تبلیغ اسلام کریں اور اس عظیم مصلحتِ ملی کی تفصیل ہم ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔ (۳۱)

شیخ محمود شلتوت نے بھی فی سبیل اللہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ اس سے مراد وہ عام مصالح ہیں جو کسی ایک فرد کی ملکیت نہ ہوں اور کوئی ایک شخص ان سے منتفع نہ ہوتا ہو' بلکہ وہ اللہ کی ملک ہو اور اس کی منفعت تمام مخلوق میں مشترک ہو۔ ان مصالح میں اوّلین مصلحت جنگی استعداد ہے تاکہ اُمت کو داخلی بغاوت سے اور خارجی حملے سے محفوظ رکھا جا سکے اور قومی وقار بحال رہے۔ نیز یہ مد جدید ترین جنگی ساز وسامان کو بھی مشتمل ہے' اس میں فوجی اور عام ہسپتال بھی آتے ہیں' راستے بنانا اور ریلوے لائن بچھانا بھی اس میں شامل ہے جو اسلام کے

جمال اور وقار کو روشن کریں' اس کی حکمت بیان کریں' اس کے احکام بیان کریں اور دشمنانِ اسلام کے حملوں کا دفاع کریں۔

اور اسی طرح اس فی سبیل اللہ کی مد میں ایسے وسائل اختیار کرنا بھی شامل ہے جس سے قرآن کا سلسلہ تا قیام قیامت جاری رہے۔ (۳۲)

بہر حال شیخ شلتوت کی یہ رائے بھی مذکورہ بالا سید رشید رضا کی رائے کی مؤید ہے۔

اسی اساس پر انہوں نے تعمیر مساجد پر زکوٰۃ کے صرف کرنے کے بارے میں یہ جواب دیا کہ اگر کسی بستی میں پہلی مسجد تعمیر کی جارہی ہو' یا مسجد موجود ہو اور اس میں گنجائش کم ہو اور بستی کے لوگوں کو ایک اور مسجد کی ضرورت ہو تو از روئے شریعت تعمیر اور اصلاح مسجد پر زکوٰۃ کا صرف کرنا درست ہے اور یہ فی سبیل اللہ کی مد میں شمار ہوگی۔

کیونکہ فی سبیل اللہ کا مقصود مصالح عامہ ہیں جن سے تمام مسلمان مستفید ہوتے ہوں' اس لئے یہ مد مساجد' شفاخانوں' تعلیم گاہوں' لوہے کے کارخانوں وغیرہ کو شامل ہے' یعنی جن کاموں کی افادیت اجتماعی ہو۔ یہ بتانا بہتر ہے کہ یہ مسئلہ فقہاء کے درمیان اختلافی ہے (اس کے بعد شیخ نے رازی کا نقل کردہ قفال کا قول نقل کیا ہے کہ صدقات کو تمام امورِ خیر میں صرف کیا جاسکتا ہے) اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ میں اپنی اس رائے پر مطمئن ہوں اور یہی فتویٰ دیتا ہوں' لیکن شرط یہی ہے جو مساجد کے بارے میں بیان ہوئی ہے کہ اس کی ضرورت ایسی ہو کہ اس کے بغیر گزارہ نہ ہو' ورنہ تو مسجد کے علاوہ امور پر صرف کرنا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہوگا۔ (۳۳)

مخلوف کا فتویٰ

مفتی مصر شیخ حسنین مخلوف سے یہ فتویٰ پوچھا گیا کہ کیا اسلامی فلاحی تنظیموں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟ تو انہوں نے جواز کا فتویٰ دیا اور فی سبیل اللہ کے مفہوم کے ضمن میں رازی اور قفال کے اقوال نقل کئے۔ (۳۴)

موازنہ اور ترجیح

ہم نے اوپر مسالکِ اربعہ کی وہ آراء نقل کردی ہیں جن میں سے بیشتر اس امر کی حامل ہیں کہ فی سبیل اللہ سے صرف جہاد مراد ہے۔ نیز ہم نے قدیم فقہاء اور جدید علماء کی وہ آراء بھی درج کردی ہیں جن کی رو سے فی سبیل اللہ کے مفہوم میں وسعت ہے اور یہ لفظ علاوہ جہاد کے دیگر امورِ خیر پر بھی مشتمل ہے۔

اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں آراء میں سے کون سی درست اور حق ہے۔

جن حضرات نے توسع اختیار کیا ہے ان کی دلیل واضح ہے کہ لفظ کا اصلی اور وضعی مفہوم جملہ امورِ خیر پر مشتمل ہے اور اس لئے اسے مساجد، مدارس اور ہسپتالوں کی تعمیر اور تمام امورِ خیر میں صرف کیا جا سکتا ہے، جبکہ مسالکِ اربعہ کے جمہور فقہاء کا اعتماد ان دو دلائل پر ہے۔

۱) پہلی دلیل جس پر فقہائے احناف نے اپنے استدلال کی بنا رکھی ہے یہ ہے کہ زکوٰۃ کا ایک رکن تملیک (کسی کی ملکیت میں آنا) ہے جو کہ امورِ خیر میں موجود نہیں ہے کہ ان میں کسی کی ملکیت نہیں ہوتی اور تملیک کے رکن ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے زکوٰۃ کو صدقہ فرمایا ہے اور صدقہ کی حقیقت یہ ہے کہ مال کا کسی فقیر کو مالک بنا دیا جائے۔ (۳۵)

۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ مساجد، مدارس اور پانی پینے کی جگہیں بنانے جیسے امورِ خیر ان آٹھ مصارف میں نہیں آتے جو آیتِ صدقات میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور اس آیت کا آغاز اِنَّمَا سے ہو رہا ہے جو حصر (تحدید) اور اثبات کے لئے آتا ہے، اس لئے جو مصارف آیت میں مذکور ہوئے وہ تو ثابت ہو گئے اور اس کے سوا کالعدم قرار پائے۔ نیز الفاظِ حدیث بھی ہیں کہ اللہ نے زکوٰۃ کو آٹھ حصوں میں تقسیم فرما دیا ہے اور اسی پر ابن قدامہ نے المغنی میں اعتماد کیا ہے۔ (۳۶)

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں پہلی دلیل قابلِ غور ہے، کیونکہ قرآن نے جن مصارف کو فِیْ کے ساتھ بیان کیا ہے ان میں تملیک شرط نہیں ہے، چنانچہ فقہاء نے زکوٰۃ سے غلام کے آزاد کرانے اور مُردے کا قرضہ ادا کرنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے حالانکہ اس میں تملیک نہیں ہے، نیز یہ کہ ولی امر (حکومت) کو دے دینے سے تملیک تو ہو گئی کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ مالک خود ہی فقیر کے ہاتھ میں دے بلکہ امام (حکومت) یا اس کا نائب زکوٰۃ لے کر اسے ان امور میں صرف کر سکتا ہے۔

دوسری دلیل جو اس امر پر قائم ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف آٹھ ہیں، تو یہ بھی توسع اختیار کرنے والے فقہاء کے رد میں کافی نہیں ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک مساجد وغیرہ کی تعمیر فی سبیل اللہ کے مصرف میں داخل ہے اور اِنَّمَا میں سے اللہ سبحانہ نے جن آٹھ مصارف کی تحدید کی ہے ان سے خارج نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس رائے کے قائلین کی صحیح تردید یہی ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ فی سبیل اللہ سے صرف غازی ہی مراد ہیں جیسا کہ جمہور فقہاء کی رائے ہے اور یہ کہ یہ عام امورِ خیر پر مشتمل نہیں ہے جیسا کہ لفظ کا عموم دلالت کرتا ہے۔

اور اس لفظ ـــــ فی سبیل اللہ ـــــ کے اصل مفہوم کے تعین کے لئے ضروری ہے کہ ہم یہ جائزہ لیں کہ قرآن میں یہ لفظ کن کن مقامات پر وارد ہوا ہے کہ قرآن کی بہترین تفسیر وہی ہے جو خود قرآن سے کی جائے۔

قرآن کریم میں ''سبیل اللہ'' کا لفظ

قرآن کریم میں سبیل اللہ کا لفظ ساٹھ سے زائد مرتبہ آیا ہے[۳۷] اور دو طرح آیا ہے۔

۱) کسی مقام پر ''فِیْ'' کے ساتھ آیا ہے، جیسے اسی آیت صدقات میں فی سبیل اللہ آیا ہے اور کہیں عَنْ کے ساتھ آیا ہے جو کہ تیئس مقامات پر آیا ہے۔ جہاں عَنْ کے ساتھ آیا ہے وہاں یا تو صَدَّ کے فعل کے ساتھ آیا ہے، جیسے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِیْدًا﴾ (النساء)

''جو لوگ اس کو ماننے سے خود انکار کرتے ہیں اور دوسروں کو خدا کے راستے سے روکتے ہیں وہ یقیناً گمراہی میں حق سے بہت دور نکل گئے ہیں۔''

نیز ـــــ

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ (الانفال:۳۶)

''جن لوگوں نے حق کو ماننے سے انکار کیا ہے وہ اپنے مال خدا کے راستے سے روکنے کے لئے صرف کر رہے ہیں۔''

یا اَضَلَّ کے فعل کے ساتھ آیا ہے، مثلاً:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ (لقمان:۶)

''اور انسانوں ہی میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کلامِ دلفریب خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دے۔''

۲) ''فِیْ'' کے ساتھ سبیل اللہ قرآن میں زیادہ آیا ہے اور اس صورت میں یا تو انفاق کے فعل کے بعد آیا ہے ﴿اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ یا ہجرت کے بعد آیا ہے ﴿وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ یا جہاد کے بعد آیا ہے ﴿وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ یا قتال اور قتل کے بعد آیا ہے ﴿یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ﴾ اور ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ﴾ یا محصہ یا ضرب وغیرہ الفاظ کے بعد آیا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن میں سبیل اللہ کے لفظ سے کیا مراد ہے؟

لغت میں سبیل کے معنی طریق (راستہ) کے ہیں' ظاہر ہے کہ سبیل اللہ سے وہ راستہ مراد ہوگا جو رضائے الٰہی اور ثوابِ اُخروی تک پہنچانے والا ہو کہ اللہ سبحانہٗ نے اپنے انبیاء کو اسی لئے مبعوث فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کی اس راستہ کی جانب رہنمائی کریں اور بالخصوص حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کو تو یہ حکم دیا گیا کہ آپ لوگوں کو اللہ کے راستے کی جانب بلائیں:

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ (النحل:۱۲۵)

''(اے نبیؐ!) اپنے ربّ کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔''

بلکہ یہ اعلانِ عام بھی فرما دیں:

﴿هٰذِهٖ سَبِیْلِیْ اَدْعُوْا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ﴾ (یوسف:۱۰۸)

''میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں' میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔''

اس راہ کے برعکس ایک اور راہ ہے جسے قرآن نے سبیل الطاغوت کہا ہے اور جس کی جانب ابلیس اور اس کا لشکر دعوت دیتا ہے اور اس راہ پر چلنے والا اللہ کی ناراضگی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ نے ان دونوں راستوں کا فرق ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ﴾ (النساء:۷۶)

''جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔''

سبیل اللہ کی جانب بلانے والے کم ہوتے ہیں اور اس راہِ حق کے دشمن اور اس سے روکنے والے بکثرت ہوتے ہیں:

﴿یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ (الانفال:۳۶)

''وہ اپنے مال اللہ کے راستے سے روکنے کے لئے صرف کر رہے ہیں۔''

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ (لقمان:۶)

''اور انسانوں ہی میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کلام دلفریب خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دے۔''

﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ (الانعام:۱۱۶)

''اور (اے نبیؐ!) اگر تم ان لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو گے جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے''۔

ہوائے نفس راہِ حق پر چلنے سے روکتی ہے کہ حق کے راستے کی مشقتیں نفس کی خواہشات کے برخلاف ہیں:

﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (ص:٢٦)

''اور خواہش نفس کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی''۔

کیونکہ دشمنانِ خدا اللہ کے راستے سے روکنے کے لئے جدوجہد بھی کرتے ہیں اور مال بھی خرچ کرتے ہیں' اس لئے مؤمنین انصار اللہ کا یہ فریضہ ہوا کہ وہ راہِ حق کے فروغ کے لئے کوششیں کریں اور اس کے لئے اپنا مال صرف کریں اور یہی اسلام نے فرض قرار دیا ہے اور زکوٰۃ کا ایک حصہ فی سبیل اللہ کے اس اہم مصرف کے لئے مخصوص کر دیا ہے اور مسلمانوں کو بالعموم اپنے مال میں سے فی سبیل اللہ خرچ کرنے پر آمادہ کیا اور بتاکید حکم دیا۔

انفاق کے ساتھ فی سبیل اللہ کا مفہوم

انفاق کے ساتھ سبیل اللہ کا لفظ دو معنی میں آیا ہے۔

ا) ایک تو لفظ کے حقیقی معنی میں آیا ہے اور تمام انواعِ برّ' طاعات اور سُبلِ خیر کو عام ہے' مثلاً یہ فرمانِ الٰہی:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ﴾ (البقرۃ:٢٦١)

''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں' ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں۔ اسی طرح اللہ جس عمل کو چاہتا ہے افزونی عطا فرماتا ہے''۔

نیز فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے پھر احسان نہیں جتاتے نہ دکھ دیتے ہیں' ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لئے کسی رنج اور خوف کا موقع نہیں''۔

ان آیات سے یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ فی سبیل اللہ کا لفظ قتال اور اس سے متعلقہ امور کے ساتھ خاص ہے' کیونکہ ان آیات میں مَنّ (احسان) اور اذیٰ (ایذا رسانی) کا ذکر بھی آیا ہے جو کہ ظاہر ہے تنگدست اور صاحب حاجت لوگوں پر خرچ کرنے کی صورت ہی میں ہوگا۔ اور اسی طرح یہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (التوبۃ)

''دردناک سزا کی خوشخبری دو ان کو جو سونے اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔''

اس آیت میں بھی سبیل اللہ کا عام مفہوم مراد ہے' جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ارشاد فرمایا اور جنگ مقصود نہیں ہے۔ (۳۸) ورنہ فقراء' مساکین' یتیموں اور مسافروں پر خرچ کرنے والا بھی ان کافروں کے زمرے میں داخل ہو جائے گا جنہیں عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

بعض معاصرین کی رائے یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کا لفظ انفاق کے ساتھ لازمی طور پر جہاد ہی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کسی اور معنی کا اس میں احتمال نہیں ہے۔ (۳۹)

لیکن یہ رائے فی سبیل اللہ کے قرآن میں استعمال کے مکمل مطالعے پر مبنی نہیں ہے کیونکہ سورۂ بقرہ کی دونوں مذکورہ بالا آیات اس کے خلاف ہیں۔

۲) دوسرا مفہوم اللہ کے دین کی نصرت' اس کے دشمنوں سے جنگ اور روئے زمین پر اللہ کا کلمہ بلند کرنے سے متعلق ہے تاکہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہی ہو جائے۔ سیاقِ کلام سے اس معنیٔ خاص میں اور معنیٔ عام میں امتیاز ہو جائے اور یہ مفہوم قتال اور جہاد کے الفاظ کے بعد آتا ہے' مثلاً:

قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اسی طرح سورۃ البقرۃ میں آیاتِ قتال کے بعد آیا ہے:

﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (البقرۃ)

''اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے۔''

بلاشبہ یہاں پر انفاق نصرتِ اسلام اور اسلام کے خلاف لڑنے والے دشمنوں پر اللہ کا

کلمہ غالب کرنے اور اللہ کے دین سے روکنے والوں کو اس امر سے باز رکھنے کے معنی میں ہے۔ اسی طرح سورۃ الحدید میں آیا ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ﴾ (الحدید: ۱۰)

''آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے۔ تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے' ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے' اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔''

سیاقِ کلام اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں پر انفاق کا وہی مفہوم ہے جو گزشتہ آیت میں تھا۔ سورۃ الانفال میں فرمایا جاتا ہے:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ ۖ لَا تَعْلَمُونَهُمُ ۖ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝﴾ (الانفال)

''اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے' زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لئے مہیا رکھو تا کہ اس کے ذریعے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوفزدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے' اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔''

یہ مقام اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ سے مراد دشمنانِ خدا سے جنگ کرنا ہے اور اللہ کے دین کو کامیاب بنانا ہے جیسا کہ حدیث صحیح بھی اس امر پر دلالت کرتی ہے۔

''جس نے اس لئے جہاد کیا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو یہی فی سبیل اللہ ہے۔'' (بخاری و مسلم)

اسی خاص مفہوم کو جہاد اور غزوہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور ''نصرتِ اسلام'' کی تعبیر زیادہ موزوں ہے' ورنہ تو جَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ کے معنی یہ ہو جائیں گے کہ ''جہاد میں جہاد کرو''۔

مصارفِ زکوٰۃ والی آیت میں فی سبیل اللہ کا استعمال

انفاق کے ساتھ سبیل اللہ کے دو مفہوم ہیں' عام اور خاص۔ اور ان دونوں مفاہیم کے لحاظ سے دیکھنا یہ ہے کہ مصارفِ زکوٰۃ والی آیت میں فی سبیل اللہ کا کیا مفہوم ہے' کیونکہ اگرچہ وہاں انفاق کا لفظ نہیں آیا لیکن بہرحال ملحوظ ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ یہاں پر سبیل اللہ کا عام مفہوم مراد نہیں ہے اس لئے کہ یہ عموم متعدد جہات پر مشتمل ہے جن کی تمام اصناف اور اشخاص کا حصر نہیں ہوسکتا جو کہ آٹھ مصارفِ زکوٰۃ کے تعین کے برخلاف ہے' جیسا کہ ظاہر آیت اس جانب اشارہ کرتی ہے اور جیسا کہ حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ سبحانہٗ کسی نبی یا کسی شخص کے فیصلہ در بارۂ صدقات پر راضی نہیں ہوا اور خود اسے آٹھ حصوں میں تقسیم فرمایا۔''

جیسا کہ فی سبیل اللہ اپنے عمومی مفہوم کے لحاظ سے فقراء اور مساکین کو اور باقی سات اصناف کو شامل ہے کیونکہ یہ تمام ہی برّ (نیکی) اور اطاعت کے کام ہیں —— تو اس مصرف میں اور اس سے پہلے اور اس کے بعد کے مصرف میں کیا فرق ہے؟

کلام اللہ جو انتہائی بلیغ' بے حد جامع اور بلا فائدہ تکرار سے پاک ہے اس میں اس کے کوئی خاص اور جدا معنی ہونے چاہئیں جو اسے دیگر تمام مصارف سے ممتاز کردے۔ اور فقہاء اور مفسرین قدیم زمانے سے اس کا مفہوم جہاد لیتے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس لفظ کے اطلاق کے وقت اس کا یہی مفہوم ہوتا ہے۔ اور اسی لئے ابن الاثیرؒ نے کہا ہے کہ گویا کثرت استعمال سے یہ اس مفہوم پر مقتصر ہو کر رہ گیا ہے۔ جیسا کہ ہم اس فصل کے آغاز میں بیان کر چکے ہیں۔

طبرانی کے اس قول سے بھی ابن الاثیرؒ کی تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ صحابۂ کرام ؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ انہوں نے ایک توانا اور تندرست نوجوان کو دیکھا اور کہنے لگے کہ کاش اس شخص کی جوانی اور صحت فی سبیل اللہ جہاد اور تائیدِ حق میں صرف ہوتی۔ (۴۰)

رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام ؓ سے متعدد احادیث مروی ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ فی سبیل اللہ سے جہاد مراد ہے' جیسے کہ ایک صحیح حدیث میں حضرت عمر ؓ کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ:

''میں فی سبیل اللہ (راہِ خدا) گھوڑے پر سوار ہوا''۔

ایک اور حدیث ہے:

''راہِ خدا ایک صبح اور ایک شام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔'' (بخاری و مسلم)

ایک اور حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

''جو شخص اللہ پر ایمان اور اس کے وعدے کو سچا سمجھتے ہوئے راہِ خدا میں گھوڑا تیار کرتا ہے تو اس کا پیٹ بھرنا' پانی سے سیراب ہونا' اس کی لید اور اس کا پیشاب روزِ قیامت اس کی میزان میں حسنات لکھی جائیں گی۔'' (بخاری)

''جو شخص راہِ خدا میں ایک دن کا روزہ رکھے گا اللہ اس دن کے بدلے اس کے چہرے کو ستر سال کے لئے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔'' (بخاری و مسلم)

''جس شخص نے در راہِ خدا کچھ خرچ کیا اس کو ستر گنا کر کے لکھا جائے گا۔''

(نسائی اور ترمذی' ترمذی نے حسن کہا ہے)

''جس شخص کے قدم راہِ خدا میں غبار آلود ہوئے اس کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔''[۴۱] (بخاری)

اس کے علاوہ اور بھی متعدد احادیث موجود ہیں اور کسی بھی شخص نے فی سبیل اللہ سے ماسوا جہاد کے اور کوئی مفہوم نہیں لیا ہے۔

یہ تمام قرائن اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ آیتِ مصارف میں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہی ہے' جیسا کہ جمہور کی رائے ہے۔ بہر حال یہاں پر لغوی اور اصل معنی میں نہیں ہے اور اسی پر یہ حدیث کہ پانچ اشخاص کے سوا کسی کو صدقہ حلال نہیں ہے اور اس میں آپؐ نے غازی فی سبیل اللہ کا ذکر فرمایا۔

ان تمام دلائل کے پیشِ نظر میں اس امر کو ترجیح دیتا ہوں کہ فی سبیل اللہ کا لفظ تمام مصالح اور قربات پر مشتمل نہیں ہے اور اس میں اس قدر توسع نہیں ہے' بلکہ میں یہ کہوں گا کہ اس میں زیادہ تضیق (تنگی) بھی نہیں ہے کہ اس کو صرف جنگی مفہوم میں جہاد کے معنی میں محصور سمجھا جائے۔

جہاد تو قلم سے بھی ہوتا ہے اور زبان سے بھی' فکری بھی ہوتا ہے اور تربیتی بھی' اجتماعی بھی اور اقتصادی بھی' سیاسی اور عسکری بھی..... اور جہاد کی ان جملہ اقسام کے لئے امداد کی اور مال کی ضرورت ہے۔

لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس کی شرط اساسی پوری ہو' یعنی جہاد کے ہر نوع میں اسلام کی

تائید اور اعلاء کلمۃ اللہ مقصود ہو' اس طرح کی ہر جدّوجُہد ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہے' خواہ اس کی کوئی بھی قسم ہو اور خواہ اس میں ہتھیار استعمال کئے جائیں یا نہ کئے جائیں۔

امام طبری فی سبیل اللہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ کے دین کی تائید ہے۔ اسلامی شریعت کی تأسیس پر صرف کرنا فی سبیل اللہ خرچ کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ دشمنانِ اسلام سے جہاد اور قتال اور کفار سے جنگ اسی جدوجہد کا ایک حصہ ہے' کیونکہ کبھی اللہ کے دین کی تائید و نصرت کے لئے قتال اور جنگ کی ضرورت بھی پیش آجاتی ہے' بلکہ بعض حالات میں یہی ایک ناگزیر طبقہ رہ جاتا ہے جس سے نصرتِ دین ہو سکتی ہے' لیکن ایسے ادوار بھی آتے ہیں کہ جن میں نظریاتی جدوجہد' جنگی اور مادی جدوجہد سے کہیں زیادہ مؤثر' گہری اور عمیق ثابت ہوتی ہے' جیسا کہ ہمارے دور میں ہے۔

اس لحاظ سے اگر چاروں مسالک کے فقہاء نے اس حصہ کو غازیوں کے تیار کرنے اور سرحدوں پر حفاظتی دستے متعین کرنے اور ان کی گھوڑوں اور ہتھیاروں سے امداد کرنے پر صرف کا قول اختیار کیا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج ہمارے اس دور میں ایک اور نوع کے غازی تیار کرنے ہیں اور ایک قسم کے حفاظتی دستے ترتیب دینے ہیں تاکہ وہ اسلامی تعلیمات کو علمی اور فکری انداز میں پیش کر کے نظریاتی فتوحات حاصل کر سکیں اور اسلام پر کئے جانے والے حملوں کی بہترین مدافعت کر سکیں۔ جہاد کے مفہوم بیان کردہ توسع کی دلیل یہ ہے کہ:

۱) اسلام میں جہاد جنگی غزوہ اور تلوار سے قتال پر موقوف نہیں ہے' کیونکہ حدیثِ صحیح میں ہے کہ:

> ''رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا جہاد افضل ہے تو آپؐ نے فرمایا: ظالم بادشاہ کے روبرو کلمۂ حق کہنا۔''(۴۲)

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''مجھ سے قبل اللہ نے جو نبی بھی مبعوث فرمایا' اس کی امت میں حواری ہوئے ہیں اور ایسے اصحاب پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے نبی کی سنت کو اختیار کیا اور اس کے حکم کی پیروی کی' پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئے جو وہ کہتے رہے جو وہ نہیں کرتے تھے اور وہ کام کرتے تھے جن کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ ان سے جس کسی نے اپنے ہاتھ سے جہاد کیا وہ مؤمن ہے' جس نے اپنی زبان سے جہاد کیا وہ مؤمن ہے' اور جس نے اپنے قلب سے جہاد کیا وہ مؤمن ہے' اور اس کے بعد ایمان کا رائی کے برابر بھی کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔''

اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

''مشرکین سے اپنے مال' جان اور زبانوں سے جہاد کرو۔'' (۴۳)

۲) جہاد کے جو اسالیب ہم نے بیان کئے ہیں اگر وہ بلحاظِ نص بھی جہاد کے مفاہیم میں داخل نہ ہوں تو از روئے قیاس وہ ضرور داخل ہیں' کیونکہ جہاد سے اور مذکورہ بالا اعمال ہر دو سے مقصود اعلائے کلمۃ اللہ' اسلام کی تائید اور دشمنانِ اسلام کا مقابلہ اور ان کا دفاع ہے۔

ہمارے سامنے یہ مثال بھی آ چکی ہے کہ فقہاء نے عاملین زکوٰۃ میں مسلمانوں کی فلاح کے کاموں میں مصروف لوگوں کو بھی شمار کیا ہے۔ چنانچہ ابن رشدؒ فرماتے ہیں کہ:

''جن فقہاء نے زکوٰۃ کے عامل پر صرف کرنے کو جائز کہا ہے حالانکہ وہ غنی ہو ان کے نزدیک زکوٰۃ کا قاضیوں اور ان لوگوں پر صرف کرنا بھی جائز ہے جو لوگوں کی فلاح کے کاموں میں مصروف ہوں''۔ (۴۴)

اسی طرح ہمارے سامنے یہ مثال بھی ہے کہ بعض فقہائے احناف نے جس شخص کا مال جاتا رہا ہو اور اسے اس پر قدرت نہ رہے اسے بھی ابن السبیل کے ساتھ ملحق کیا ہے اگرچہ وہ اپنے شہر میں موجود ہو' اس لئے کہ اعتبار حاجت کا ہے جس وقت بھی موجود ہو۔

اس لئے یہ بات قابلِ تعجب نہ ہونی چاہئے کہ ہم جہاد (بمعنی قتال) میں وہ تمام کوششیں شمار کرلیں جو قولاً یا عملاً نصرتِ اسلام کے مقصد کو پورا کرنے والی ہوں۔

اس سے قبل ہم دیکھ چکے ہیں کہ زکوٰۃ میں قیاس کو کس قدر دخل ہے اور ہر مسلک میں قیاس ضرور اختیار کیا گیا ہے۔ اس بنا پر ہم نے فی سبیل اللہ کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ جمہور کی اس کے مفہوم میں توسع کی رائے کے عین مطابق ہے۔

اس مقام پر یہ ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض اعمال اور بعض ادارے ہو سکتا ہے کہ کسی ملک میں یا کسی زمانے میں یا کسی مخصوص صورتِ حالات میں جہاد فی سبیل اللہ متصور ہوں اور ہو سکتا ہے کہ یہی اعمال اور یہی ادارے کسی اور ملک میں یا مختلف حالات میں یا کسی زمانے میں جہاد متصور نہ کئے گئے ہوں۔

مثلاً عام حالات میں ایک دینی درسگاہ کا قیام ایک بہترین عملِ خیر متصور ہوگا لیکن اسے جہاد نہیں کہا جائے گا۔ لیکن اگر کسی مقام پر حالات کا نقشہ یہ ہو کہ تمام تعلیمی ادارے مشنریوں کے قبضے میں ہوں' یا اشتراکی تسلط میں ہوں' یا لادینی ادارے بن چکے ہوں تو ایک دینی اصلاحی درسگاہ کا قیام ایک عظیم جہاد بن جائے گا اور اس درسگاہ سے نژادِ نو کو اسلامی فکری تعلیم

سے آراستہ کر کے انہیں دشمنانِ اسلام کی فکری اور نظریاتی یلغار کے بالمقابل کھڑا کیا جائے گا اور انہیں اس نہج پر تیار کیا جائے گا کہ وہ مختلف نظاموں' کتابوں اور لٹریچر میں پھیلے ہوئے زہر کا تریاق دریافت کریں اور اُمتِ مسلمہ کو اس زہر سے محفوظ رکھنے کی سعی کریں۔

یہی بات تباہ کن لائبریریوں کے بالمقابل اسلامی دارالمطالعہ کے قیام کے بارے میں کہی جاسکتی ہے اور اسی طرح مسلمانوں کے علاج کے لئے اسلامی شفا خانے کا قیام اس دائرے میں آسکتا ہے' تاکہ مسلمان مشنری ڈاکٹروں کی گمراہیوں اور ان کی کارستانیوں سے محفوظ رہیں۔

بہرحال چونکہ فکری اور ثقافتی یلغار زیادہ مہلک اور زیادہ خطرناک ہوتی ہے اس لئے اس کی مدافعت بھی جہاد کے نقطۂ نظر سے زیادہ اہمیت کی حامل ہوگی۔

ہمارے دَور میں فی سبیل اللہ کا حصہ کہاں صرف کیا جائے؟

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مشہور قول اور مسالکِ اربعہ کی اصل رائے کے مطابق فی سبیل اللہ غزواتی' جنگی اور عسکری مفہوم میں وارد ہوا ہے' بالفاظ دیگر فی سبیل اللہ سے مراد ''اسلامی جنگ'' ہے' یعنی جس طرح کی جنگیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام نے لڑیں کہ قرآن کے زیرِ سایہ اللہ کا نام لے کر میدانِ وغا میں کود گئے اور ان کا واحد اور اوّلین مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو لوگوں کی بندگی سے نجات دلا کر ایک اللہ کی عبادت کی جانب بلایا جائے' تنگیٔ عیش سے رہائی دلا کر آزاد زندگی کی دعوت دی جائے اور جاہلیتوں کے ظلم وستم سے چھڑا کر عدلِ اسلامی سے ہمکنار کیا جائے۔

بعض مسلمانوں کا خیال یہ ہے کہ ''اسلامی جنگوں'' کا وجود ایک عرصہ ہوا ختم ہو چکا ہے اور اب جو جنگیں ہوتی ہیں وہ اسلامی نہیں ہوتیں بلکہ وطنی اور قومی جنگیں ہوتی ہیں کہ مسلمانوں کے دشمن مسلمانوں کی سرزمین پر حملہ آور ہوتے ہیں اور مسلمان اپنے وطن' اپنی قوم اور اپنے ملک کی حفاظت کے لئے لڑتے ہیں اور مقابلہ کرتے ہیں' اس لئے ان جنگوں کو دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے' بلکہ یہ عام دنیاوی جنگیں ہیں' اس لئے نہ تو انہیں فی سبیل اللہ قرار دیا جانا چاہئے اور نہ ان پر زکوٰۃ صرف کرنا درست ہونا چاہئے۔

یہ استدلال محلِ نظر ہے اور اس پر تحقیقی نظر ڈال کر معلوم کرنا چاہئے کہ اس میں کس قدر بات درست ہے اور کون سی نادرست ہے۔

اسلامی جنگ اور اسلامی جہاد کی صرف یہی ایک صورت نہیں ہے جس صورت میں صحابہ

کرام ﷺ نے ظلم و جور کو مٹانے' طاغوتی قوتوں کو ختم کرنے' اور انسانوں کو انسانوں کی بندگی اور غیر اللہ کی عبادت سے آزاد کرانے کے لئے جنگیں لڑی تھیں۔ لامحالہ ان جنگوں کی کوئی مثال نہیں ملتی' نہ وہ مقاصد موجود ہیں اور نہ ہی وہ نتائج' نہ وہ آداب موجود ہیں اور نہ ان کے آثار! یہ اسلامی جنگ اور اسلامی جہاد کی بلاشبہ ایک مثالی اور دلکش اور منفرد صورت تھی لیکن اسلامی تاریخ نے ان کے علاوہ بھی جنگیں دیکھی ہیں جن میں اہل اسلام نے ذات کی' حرمتوں کی' وطن کی اور مقدسات کی حفاظت کی۔ اور یہ جنگیں جو مسلمانوں نے دشمنوں سے لڑی ہیں یہ بھی دورِ اوّل کے جہاد ہی کی طرح مقدس ہیں' مثلاً وہ معرکے جن میں عماد الدین زنگی' نور الدین محمود' صلاح الدین ایوبی اور ظاہر بیبرس کے نام روشن ہوئے' کہ عین' بیت المقدس اور عین جالوت کے یہ معرکے درحقیقت مسلمانوں کی سرزمین کو تاتاریوں اور صلیبیوں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھنے کے لئے لڑے گئے تھے۔

اگر صحابۂ کرام ﷺ اور تابعین عظام کا جہاد دعوتِ اسلام کے لئے تھا تو نور الدین اور صلاح الدین کا جہاد سرزمینِ اسلام کی حفاظت کے لئے تھا اور جہاد جس طرح عقیدۂ اسلامی کے تحفظ کے لئے فرض ہے اسی طرح ارضِ اسلام کے تحفظ کے لئے بھی فرض ہے۔

سرزمینِ اسلام کی حفاظت اور مدافعت اس لئے فرض اور عبادت ہے کہ دارالاسلام ہی اسلام کی جائے قرار ہے اور مسلمان دار الاسلام کی دفاعی جنگ اس لئے لڑتا ہے کہ اس سرزمین میں اسلام محفوظ رہے' اس لئے نہیں لڑتا کہ یہ سرزمین اس کے آباء واجداد کی سرزمین ہے۔ اس لئے کہ جہاں اسلام کا علم بلند نہ کیا جا سکے اور جہاں اسلام کی بات نہ سنی جائے وہاں کی سرزمین سے ہجرت مسلمان پر فرض ہو جاتی ہے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

سرزمینِ اسلام کو کفّار کی حکمرانی سے آزاد کرانا

بلاشبہ ہمارے اس دور میں جس عمل پر جہاد کے معنی منطبق ہو سکتے ہیں وہ مسلط کافروں کی فرمانروائی سے سرزمینِ اسلام کو آزاد کرانا ہے اور وہاں غیر اسلامی نظامِ حکومت ختم کر کے اسلامی نظامِ حکومت قائم کرنا ہے' خواہ کافر یہودی ہوں یا نصرانی' یا بت پرست یا ملاحدہ اور بے دین کہ کفر تمام کا تمام ایک ہی ملت ہے۔

سرمایہ دار ممالک ہوں یا اشتراکی' کسی مذہب کے پیروکار ہوں یا لادین' کوئی بھی اسلامی ملک پر قبضہ کر لے اس کے خلاف جنگ فرض ہے اور تمام مسلمانوں پر ان کی امداد و

تعاون لازم ہے۔

مسلمانوں پر کبھی بھی اس قدر سخت ابتلاء کا دور نہیں آیا جتنا کہ آج کل ہے کہ متعدد اسلامی ممالک سامراجیوں اور کافروں کے قبضے میں ہیں اور سب سے زیادہ المناک صورتِ حال یہ ہے کہ فلسطین پر دنیا بھر کے بکھرے ہوئے یہودی قابض ہو گئے ہیں' کشمیر بھی مسلمانوں کا ایک خطۂ ارض ہے جس پر ہندو قابض ہیں اور ان کے علاوہ اری ٹیریا' حبشہ' چاڈ' مغربی صومالیہ اور قبرص پر قابلِ نفرت' فریبی اور مکار صلیبی قابض ہیں' اور اسی طرح سمرقند' بخارا' تاشقند' ازبکستان اور البانیا پر سرکش اور ملحد اشتراکیت اپنا تسلط جمائے ہوئے ہے۔

ان تمام ممالک کا کفر کے پنجوں سے چھڑانا مسلمانوں پر فرض ہے اور اس کے لئے مسلمانوں کا اس مقصد کے لئے باہمی اتحاد لازم ہے اور یقیناً مسلمانوں کی جانب سے ان ممالک کی آزادی کی جنگ مقدس فریضۂ اسلامی اور جہاد متصور ہوگی۔

بلکہ جہاں کہیں بھی مسلمان اپنے وطن کو کافروں سے آزاد کرانے کے لئے لڑ رہے ہیں اُن کی یہ جنگ بلا اختلاف جہاد فی سبیل اللہ ہے اور ان مجاہدین کی امداد اور تعاون تمام مسلمانوں پر فرض ہے اور مسلمانوں کا اپنی آمدنی کا ایک حصہ بطور زکوٰۃ اس جہاد میں دینا درست ہے۔ یہ مقدار زکوٰۃ کی مقدار کے لحاظ سے' جہاد کی ضرورتوں کے لحاظ سے اور دیگر مصارفِ زکوٰۃ کے لحاظ سے کم و بیش ہو سکتی ہے جو کہ اہلِ حل وعقد اور مسلمانوں کی شوریٰ کی رائے پر موقوف ہے۔

ہر جنگ فی سبیل اللہ جہاد نہیں ہے

اس مقام پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ کسی بھی موقع پر مسلمانوں کا' جو کہ محض نام کے مسلمان ہوں' ہتھیار اٹھا لینا' جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے' خواہ ان کا کوئی بھی مقصود ہو' ان کی کوئی بھی غایت ہو اور ان کا کوئی بھی شعار ہو' اور خواہ وہ اللہ کا نام لے کر شریکِ جنگ ہوئے ہوں یا ایسے ہی مخلوقات میں سے کسی کے نام پر شریکِ جنگ ہو گئے ہوں اور ان کے ذہنوں میں اسلامی جنگ اور قومی جنگ اور وطنی جنگ میں کوئی فرق نہ ہو' غرض ہر صورت میں ان کی جنگ جہاد ہی ہوگی' ایسا نہیں ہے' بلکہ جہاد وہی ہے جو فی سبیل اللہ ہو' جس کے محرکات اسلامی ہوں اور جس کے مقاصد اسلامی ہوں' یعنی مقصود یہ ہو کہ اللہ کے دین کو نصرت حاصل ہو' اس کا کلمہ بلند ہو اور دارالاسلام کی مدافعت ہو۔ ان محرکات اور اہداف کے ساتھ جو جنگ ہوگی وہ اسلامی جنگ (جہاد) ہوگی' لیکن اگر کسی جنگ میں یہ محرکات اور یہ اہداف کارفرما نہیں ہیں تو

وہ ایک معمول کے مطابق جنگ ہے اور ویسی ہی جنگ ہے جیسی غیر مسلم اور ملحد لڑتے ہیں۔ اور اس جنگ کا اللہ کے دین سے' اس کی کتاب سے اور اس کے رسولؐ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس قسم کی جنگ میں کوئی مال صرف کرنا اور اسے فی سبیل اللہ سمجھنا جائز نہیں ہے۔

فرض کر لیجئے کہ البانیہ یا ازبکستان کے اشتراکی اپنے ملک کو —— جو ایک اسلامی ملک ہے —— اشتراکی روس سے آزاد کرانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور اس کے لئے جنگ شروع کر دیں تو ان کی یہ جنگ جہاد فی سبیل اللہ شمار نہیں ہوگی اور نہ انہیں مال زکوٰۃ دینا جائز ہوگا' کیونکہ اسلام کی نظر میں ازبکستانی اشتراکی اور روسی اشتراکی برابر ہیں اور یہ جنگ درحقیقت ملک کو ایک طاغوت سے رہائی دلا کر دوسرے طاغوت کے حوالے کر دینے کے لئے ہوگی' کیونکہ اسلام میں رنگ و نسل کے اختلاف اور وطن کے فرق کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور ہر نسل کے اور ہر وطن کے طاغوت یکساں ہیں۔

یہ جنگ جہاد اس صورت میں ہوگی جبکہ مسلمانوں کا مقصود کفر کی حکمرانی ختم کر کے اسلام کی حکمرانی قائم کرنا ہو اور جاہلیت کو مٹا کر اسلام کی سربلندی مطمح نظر ہو۔

غرض اسلام کی نظر میں مطلقاً جنگ مقدس نہیں ہے بلکہ وہ جنگ مقدس اور جہاد ہے جو فی سبیل اللہ ہو۔ کیونکہ دنیا کے تمام انسان جان' عزت اور وطن کی حفاظت کے لئے لڑتے ہیں اور اس کے لئے اپنی جان و مال کی قربانیاں بھی دیتے ہیں' یہاں تک کہ جو بے دین ہیں وہ بھی بڑی بڑی قربانیاں دیتے ہیں اور اپنے ملک کا دفاع کرتے ہیں اور اپنی قوم کی حفاظت کرتے ہیں —— مگر اللہ کے نزدیک اس عمل کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

اور یہی مسلمان مجاہدین اور غیر مسلم محاربین میں فرق و امتیاز بھی ہے کہ مسلمان خالصتاً خدا کے لئے اور فی سبیل اللہ جہاد کرتے ہیں اور اسی نیت اور مقصد کی بنا پر ان کی جنگ اور ان کا جہاد مقدس قرار دیا گیا ہے اور ایک عظیم عبادتِ الٰہی متصور کیا گیا ہے۔

یعنی ایک مسلمان جب جہاد کرتا ہے تو اس لئے نہیں کرتا کہ ایک رنگ و نسل کے لوگوں کی جگہ دوسرے رنگ و نسل کے لوگ یا ایک طبقہ کی جگہ دوسرے طبقہ کے لوگ مسلط ہو جائیں اور حکمران بن جائیں' بلکہ مسلمان اس لئے جہاد کرتا ہے کہ غیر اللہ کی حکمرانی ختم کر کے اللہ کی حکمرانی قائم کرے' اس کی شریعت برپا کرے اور اس کا کلمہ بلند کرے۔

اس مقصد کے علاوہ جو بھی جنگ ہے وہ فی سبیل الوطن ہے فی سبیل اللہ نہیں ہے اور اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس قسم کی کسی جنگ کو دین اسلام کا جاننے والا کوئی بھی عالم فی سبیل اللہ قرار نہیں دے سکتا اور نہ ایسی جنگ میں زکوٰۃ کے صرف کرنے کے جواز کا فتویٰ دے سکتا ہے' کیونکہ ان جنگوں میں تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہتھیار اٹھانے والے (نام نہاد مسلمان) عملاً کفار سے بھی زیادہ اسلام کے دشمن ثابت ہوں۔

حافظ ابومحمد عبدالغنی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی نعم بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت آئی اور اُس نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! میرے شوہر نے اپنا مال فی سبیل اللہ دے دینے کی وصیت کی ہے۔ ابن عمرؓ نے فرمایا: تو اس کی وصیت کے مطابق فی سبیل اللہ ہوگیا۔ میں نے کہا کہ آپؓ نے اسے تشفی بخش جواب نہیں دیا' تو اس پر ابن عمرؓ نے فرمایا: تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں یہ کہہ دوں کہ یہ ان لشکروں کو دے دے جو دوسروں پر زیادتیاں کرتے اور راہزنی کرتے ہیں۔ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ یہ مال نیک حجاج کو دے دیا جائے کہ یہ وفد الٰہی ہے جو اس کے گھر کی زیارت کو جاتا ہے۔ (۴۵)

یہ احتیاط حضرت ابن عمرؓ نے اپنے دور میں فرمائی' جبکہ اُس وقت لشکروں کو اسلام کے سوا اور کوئی علم نہ تھا' حتیٰ کہ خوارج بھی اسلام ہی کی خاطر برسرِ پیکار تھے۔

اگر حضرت ابن عمرؓ یہ لشکر دیکھتے جن میں سرے سے اللہ کا کوئی نام ہی نہیں لیا جاتا' جن کی جنگیں اسلام کے نام پر نہیں لڑی جاتیں اور جس میں نہ نماز قائم ہوتی ہے اور نہ عبادتِ الٰہی کی جاتی ہے' جس کے قائدین شراب و کباب میں منہمک ہوتے ہیں' جن کی راہنمائی اور تربیت پوری کی پوری لادینی (Secular) بنیادوں پر ہوتی ہے اور اس میں اللہ کا اور اللہ کی کتاب کا اور اس کے رسول کا ذکر تک نہیں ہوتا' جہاں جاہلی شعارات بلند کئے جاتے اور دین کا اور داعیان کا مذاق اڑایا جاتا ہے..... ہاں جب کبھی نوجوانوں کو جوش و جذبہ دلانا مقصود ہوا تو دین کا نام لے لیا ورنہ خیر ہے —— اگر حضرت ابن عمرؓ ان لشکروں کو دیکھتے تو ان کی کیا رائے ہوتی!

غرض اسلام کے علاوہ جو بھی علم بلند کیا جائے اور علاوہ اسلام کے جو بھی مطمحِ نظر ہو وہ غیر اسلامی جنگ ہے اور اسے فی سبیل اللہ کہنا دین کا مذاق اڑانا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جو شخص بہادری کے اظہار کے لئے جنگ کرے' جو شخص قومی حمیت کی خاطر جنگ کرے اور

جو محض دکھاوے کے لئے جنگ کرے ان میں سے کون سی جنگ فی سبیل اللہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''جو اس لئے جنگ کرے کہ کلمۃ اللہ غالب ہو صرف اس کی جنگ فی سبیل اللہ ہے''۔ (۴۶)

جہاد اسلامی اور معرکہ ہائے جاہلیت میں یہی بنیادی فرق ہے کہ جو اسلام کی سربلندی کے لئے اور دعوت اسلام کے لئے جنگ کرے اس کی جنگ فی سبیل اللہ ہے اور اس کے ماسوا ہر جنگ فی سبیل الطاغوت اور جاہلی جنگ ہے۔ (۴۷)

یہ مطلب ہے کہ لوگوں کے دلوں کو ٹٹول کر دیکھا جائے بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ لڑنے والے افراد اور جماعتوں کے شعار کیا ہیں' علم کیا ہیں ان کے عام مقاصد کیا ہیں؟ رہ گیا ان کی نیتوں کا معاملہ تو یہ تمام اللہ سبحانہٗ کے علم میں ہیں اور انسان ان کے جاننے کا مکلف نہیں ٹھہرایا گیا ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ یہ کہنا کہ اس دور کی کوئی بھی جنگ اسلامی نہیں ہے اس لئے کہ وہ صحابہ کرام ؓ کی جنگوں کی طرح فی سبیل اللہ نہیں ہے' درست نہیں ہے' اور جیسا کہ یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ مسلمانوں کے علاقوں میں ہونے والی ہر جنگ خواہ اس کے شعار' اس کے افکار اور اس کے مقاصد کوئی بھی ہوں فی سبیل اللہ اور اسلامی جنگ ہے۔

اس دور میں اس مسئلے میں فتویٰ دینے میں علمائے کرام کو احتیاط کرنی چاہئے اور تقویٰ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہئے تاکہ مسلمانوں کے مال ان لوگوں کی اعانت میں ضائع نہ ہوں جو درحقیقت اسلام کے دشمن ہیں اور جو اسلام کو دورِ وحشت کا دستور العمل بتاتے اور داعیان اسلام کو رجعت پسند اور متاخر (backward) کہتے ہیں' کیونکہ یہ نام نہاد مسلمان اسلام کے لئے یہود و نصاریٰ سے زیادہ خطرناک ہیں۔

اسلام کی حکمرانی کے قیام کی جدّوجُہد بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے

ایک تنظیم دین دار لوگوں کی بنائی گئی اور اس نے یہ پروگرام بنایا کہ زکوٰۃ جمع کر کے اس جمعیت سے متعلقین پر صرف کیا جائے تاکہ وہ فروغ اسلام کی جدوجہد کریں' اس پر سید رشید رضا مصری نے فرمایا کہ ——— فی سبیل اللہ کے زکوٰۃ کے حصہ کا ایک مصرف اسلامی معاشی نظام حکمرانی کے قیام کی کوشش بھی ہے' بلکہ قیام کی کوشش اس جدوجہد سے زیادہ اہم ہے جو اسلام کے نظام حکمرانی کے قائم ہونے کی صورت میں اسے دشمنانِ اسلام سے بچانے کے لئے کی جاتی ہے اور اس فی سبیل اللہ کا ایک مصرف اسے اسلام کی دعوت پر صرف کرنا اور قلم

سے اور زبان سے اس کی مدافعت کرنا بھی ہے' بالخصوص ان حالات میں جبکہ اسلام کا مسلح دفاع ممکن نہ ہو۔ (۴۸)

سید رشید رضاؒ کی یہ رائے انتہائی بصیرت اور اسلام فہمی پر مبنی ہے اور اسی رائے کی پابندی کرنی چاہئے اور اس امر کی احتیاط کرنی چاہئے کہ نیک مسلمانوں کی زکوۃ کا سرمایہ ملحدین اور لادین طبقے پر نہ خرچ ہو جائے۔

سب سے اہم اور سب سے اوّلین فی سبیل اللہ کے حصۂ زکوۃ کا مصرف ایسی اجتماعی اور منظم جدوجہد ہے جو صحیح اسلامی زندگی کا آغاز چاہتی ہو' ایسی زندگی جس میں مکمل طریقہ پر اسلامی احکام برپا ہوں' جس میں اسلام کا نظامِ خلافت برپا ہو اور جس جدوجہد کے نتیجے میں اُمت اسلامی اور تہذیب اسلامی کا احیاء ہو۔

یہ دائرہ کار فی الحقیقت بڑا موثر' بڑا اہم اور بڑا لازمی ہے اور غیرت مند مسلمانوں کو اپنی زکوۃ اسی جدوجہد پر صرف کرنی چاہئے۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلمان ابھی تک اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکے کہ جب زکوۃ کے سارے مصارف منعدم ہو چکے ہوں تو اسلام کے احیاء کی منظم جدوجہد سے تعاون کرنا اور اس پر اپنا مال صرف کرنا اور اپنی جان اس مقصد کے لئے کھپانا کس قدر ضروری ہو گیا ہے۔

ہمارے عہد میں اسلامی جہاد کی متنوع صورتیں

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسلامی جہاد کی یہی ایک صورت نہیں ہے کہ مسلح جنگ کی جائے اور عسکری مدافعت کی جائے بلکہ جہاد اسلامی کی متنوع اور گوناگوں صورتیں ہیں۔ ہم اس دور کی ضرورتوں کے مطابق چند صورتیں بیان کرتے ہیں۔ لیکن ان کے بیان سے پہلے ایک حقیقت کی وضاحت لابدی ہے اور وہ یہ کہ اسلام کے آغاز ہی سے مسلح لشکر کی تیاری اور ان کے جملہ اخراجات کی ذمہ داری اسلامی ریاست کے عمومی خزانہ ——— بیت المال ——— پر رہی ہے اور یہ تیاری اموالِ زکوۃ پر نہیں کی گئی بلکہ لشکروں کی روانگی اور جنگی تیاریوں پر مالِ فئے اور خراج سے خرچ کیا جاتا رہا ہے اور زکوۃ محض تکمیلی امور پر صرف ہوئی ہے' مثلاً رضا کار مجاہدین پر زکوۃ سے صرف کیا گیا۔

موجودہ دور میں بھی یہی طریقہ ہے کہ مسلح افواج اور دفاعی انتظامات کے اخراجات عام بجٹ سے ادا ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ اس قدر بڑے اخراجات ہیں جو زکوۃ سے پورے نہیں ہو سکتے اور اگر زکوۃ اس مصرف پر خرچ کی جائے تو ساری زکوۃ صرف اسی ایک

مصرف میں لگ جائے گی اور کافی نہ ہوگی۔

اس لئے ہماری رائے میں فی سبیل اللہ کے حصۂ زکوٰۃ کو نظریاتی' تربیتی اور اشاعتی جہاد پر صرف کرنا زیادہ بہتر ہے بشرطیکہ یہ جدوجہد خالصتاً اسلام کے لئے ہو اور اس میں قومیت اور وطنیت کا کوئی شائبہ نہ ہو اور نہ ایسے اسلام کی خدمت ہو جس کے پردے میں کسی خاص طلقے' کسی طبقے یا شخص کو ابھارنا اور فروغ دینا مقصود ہو' کیونکہ آج کل بہت سی تنظیمات اور اداروں کا اسلامی نام رکھ دیا جاتا ہے مگر وہ اندر سے لادینی ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کا سرچشمہ اسلام ہی ہونا چاہئے' اسلام ہی ان کا مقصود ہونا چاہئے اور اسلام ہی کی جانب ان کا رخ ہونا چاہئے تاکہ ان کا انتساب الی اللہ درست کہا جا سکے۔

ہم متعدد مثالیں بیان کر سکتے ہیں جن پر عمل اسلام کا تقاضا ہے اور جنہیں فی سبیل اللہ جہاد شمار کیا جا سکتا ہے۔

صحیح اور حقیقی اسلام کی جانب دعوت کے مراکز قائم کرنا اور ان کے ذریعے دنیا کے گوشے گوشے میں دعوت اسلام پہنچانا درحقیقت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

ایسے اسلامی مراکز قائم کرنا جو اسلامی ملک کے اندر رہتے ہوئے مسلم نوجوانوں کی فکری راہنمائی کریں' انہیں انحراف' الحاد اور اخلاقی بے راہ روی سے محفوظ رکھیں اور انہیں اسلام کی تائید و نصرت اور دشمنوں سے اسلام کی مدافعت کے لئے تیار کرنا بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

ایسا اسلامی مجلہ جاری کرنا جو تباہ کن اور گمراہ کن لٹریچر کا توڑ کرے اور اسلام کی حقیقی تصویر پیش کرے اور اسلام کے بارے میں دشمنانِ اسلام کے اٹھائے ہوئے شبہات کا جواب دے اور خالص اسلامی تعلیمات کا پرچار کرے تو یقیناً جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

ایسی اسلامی کتاب کی اشاعت جو محاسن اسلام کو اجاگر کرے' جو اس کی تعلیمات کو منور کرے' جو اس کے حقائق انتہائی واضح اور مؤثر اسلوب میں پیش کرے اور باطل افکار کو رد کر کے رکھ دے بلاشبہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

طاقتور' امانت دار اور صلاحیتوں کے حامل مخلص افراد کا اپنی صلاحیتیں اور قوتیں مذکورہ بالا اعمال میں کھپا دینا' اسلام کی روشنی کو آفاق میں پھیلا دینا' خوابیدہ مسلمانوں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بیدار کرنا اور ہر الحاد' دہریت اور فکری بے راہ روی کا مقابلہ کرنا سب سے بڑھ کر جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اسلام کے ان سچے داعیوں کی حمایت ونصرت کرنا جو دشمنانِ اسلام کی سازشوں کا شکار ہیں اور ہر طرح کی تعذیبات سہہ رہے ہیں اور جلاوطنی' قید اور سزائے موت کے کرب و بلا سے گزر رہے ہیں' عظیم ترین جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

ان تمام امور پر زکوٰۃ صرف کرنی چاہئے اور خاص طور پر اس عصر غربت میں جبکہ اسلام کا اللہ کے بعد ان فرزندانِ اسلام کے سوا کوئی نہیں ہے جو اس کے احیاء کے لئے اپنی جانیں کھپا رہے ہیں۔

حواشی

١) النهاية لابن الأثير' ج٢' ص ١٥٦ ـ ط ـ المطبعة الخيريه۔

٢) الاختيار لتعليل المختار ' ج١' ص ١١٩ ۔ البحر الرائق ' ج٢' ص ٢٦٠ ۔ الدر المختار و حاشية رد المحتار' ج٢' ص ٨٣'٨٤۔

٣) تفسير المنار' ج١' ص ٥٨٥۔

٤) حنفی فقہاء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ غازی یا حاجی جو راستے میں رہ جائے اگر اس کے وطن میں اس کے پاس مال نہ ہو تو وہ فقیر ہے ورنہ وہ ابن السبیل ہے۔ مگر یہ جواب غیر تشفی بخش ہے۔ اس لئے کہ وہ درحقیقت فقیر ہی ہے البتہ اس میں مطلق فقیر سے ایک وصف زائد ہو گیا کہ وہ عبادت الٰہی میں مصروف ہے۔ (البحر: ج ٢' ص ٢٦٠ ۔ رد المختار: ج ٢' ص ٨٤۔) میں کہتا ہوں کہ یہ غازی یا حاجی فقراء کی صنف سے خارج نہیں ہیں۔ اور آلوسی نے اپنی تفسیر (ج ٣' ص ٣٢٨) میں یہ قول نقل کیا ہے کہ حقیقت وہی ہے جو جصاص نے الاحکام میں ذکر کی ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں غنی ہو اور اسے زکوٰۃ جائز نہ ہو' جب وہ سفر جہاد کا عزم کرلے جس میں اسے ہتھیار اور سامان کی ضرورت ہو تو اسے زکوٰۃ سے دیا جائے گا۔

٥) رد المحتار' ج٢' ص ٨٥۔

٦) احكام القرآن' ج٢' ص ٩٥٧۔

٧) خود الدردیر نے اپنی شرح میں شہر پناہ کی دیوار اور کشتیاں زکوٰۃ سے بنائے جانے کو اس صورت میں ناجائز کہا ہے جبکہ وہ برائے جہاد نہ ہوں۔ الشرح الصغير و حاشية الصاوى

٨) الشرح الكبير مع حاشية الاسوتى ' ج١' ص ٤٩٧۔

٩) احكام القرآن' ج٢' ص ٩٥٧۔

١٠) تحفة المحتاج بشرح المنهاج' ج٣' ص ٩٦۔ نهاية المحتاج' ج ٦' ص ١٥٥'١٥٦۔

۱۱) الام، ج۲، ص ٦٠۔ ط۔ بولاق۔
۱۲) الروضة للنووی، ج۲، ص ۳۲٦، ۳۲۷۔
۱۳) بحواله مذکور، ص ۳۲۱۔
۱٤) تحفة المحتاج، ج۳، ص ۹٦۔
۱۵) مطالب اولی النهی: ج۲، ص ۱٤۷، ۱٤۸۔
۱٦) اس روایت کو احمد اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے اور یہ ضعیف ہے، اس لئے کہ اس کی سند میں ایک متکلم فیہ راوی ہے، نیز اس کی سند میں اضطراب بھی ہے۔ ابوداؤد نے اس کو ایک اور روایت سے نقل کیا جس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے جو مدلّس ہے اور معنعن ہے۔ نیل الاوطار، ج۴، ص ۱۸۱۔ ط۔ الحلبی۔
۱۷) ابن قدامه: المغنی، ج٦، ص ٤۷۰، ٤۷۱۔
۱۸) تحفة المحتاج، ج۳، ص ۹٦۔
۱۹) تفسیر الرازی، ج۱٦، ص ۱۱۳۔
۲۰) المغنی، ج۲، ص ۱٦۷۔ (عبارت کے الفاظ یہ ہیں: ما اعطیت فی الجسور والطرف فهی صدقة ماضیة۔)
۲۱) الاموال، ص ۵۷۳، ۵۷۵۔
۲۲) المصنف، ج۳، ط حیدر آباد۔ ص ۱٦٦۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: ما اخذ منك علی الجسور والقناطر فتلك زکوٰة قاضیة۔
۲۳) المختصر النافع، ص ۵۹، دار الکتاب العربی۔ القاهره۔
۲٤) جواهر الکلام، ج۲، ص ۷۹۔ المحلی: شرائع الاسلام، ج۱، ص ۸۷۔ فقه الامام جعفر، ج۲، ص ۹۲۔
۲۵) الروض النضیر، ج۲، ص ٤۲۸۔ البحر، ج۲، ص ۱۸۲۔
۲٦) شرح الازهار، وحواشیه، ص ۱۱۵، ۱۱٦۔
۲۷) الروضة الندیه، ج۱، ص ۲۰٦، ۲۰۷۔
۲۸) محاسن التاویل، ج۷، ص ۳۱۸۱۔
۲۹) تفسیر المنار، ج۱۰، ص ۵۸۵۔
۳۰) تفسیر المنار، ص ۵۸۷۔
۳۱) آل عمران: ۱۰٤۔

۳۲) الاسلام عقیدۃ و شریعۃ' ص ۹۷'۹۸۔
۳۳) الفتاوی شلتوت : ۲۱۹۔
۳٤) فتاویٰ شرعیہ للشیخ مخلوف' ج۲۔
۳۵) فتح القدیر' ج۲' ص ۲۰۔
۳٦) المغنی' ج۲' ص ۱٦۷۔
۳۷) المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم۔
۳۸) فتح الباری' ج۳' ص ۱۷۲۔
۳۹) النظام الاقتصادی فی الاسلام' تقی الدین النبہانی' ص۲۰۸۔ط۔ثالثہ۔
٤۰) المنذری نے الترغیب میں کہا ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال' رجال صحیح ہے' ج۳' ص ٤' ط۔ المنیریہ۔
٤۱) ان احادیث کو المنذری نے الترغیب میں ذکر کیا ہے۔ ج۲' الکتاب الجہاد۔
٤۲) احمد' نسائی' بیہقی اور ضیاء المقدسی نے طارق بن شہاب سے روایت کیا ہے۔ اور المنذری نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے' التیسیر المنادی' ج۱' ص ۱۸۲۔
٤۳) احمد' ابوداؤد' نسائی' ابن حبان' حاکم از انس۔ حاکم نے صحیح کہا ہے۔ التیسیر' ج۱' ص ۴۸۵۔
٤٤) بدایۃ المجتہد' ج۱' ص ۲۷٦۔ الحلبی۔
٤۵) تفسیر القرطبی' ج۸' ص ۱۸۵۔
القرطبی نے اس واقعہ کو اس سیاق میں ذکر کیا ہے کہ حج بھی فی سبیل اللہ ہے۔ مگر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مطلق فی سبیل اللہ ہے تو جہاد مراد ہوتا ہے۔ لیکن حضرت ابن عمرؓ نے اہل جہاد کے انحراف اور فساد کی بنا پر اس کو حج پر محمول فرمالیا۔
٤٦) المنتقی' بحوالہ نیل الاوطار' ج۷' ص ۲۲٦' ۲۲۷۔ طبع حلبی۔
٤۷) المنتقی' بحوالہ نیل الاوطار' ج۷' ص ۲۲٦' ۲۲۷۔ طبع حلبی۔
٤۸) تفسیر المنار' ج۱۰' ص ۵۹۸۔ ط ثانیہ۔

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجئے۔

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : **الحکمۃ**

مرتب : شیخ عمر فاروق

ضخامت: 808 صفحات (30x20/8)..... قیمت :وقف للہ تعالیٰ

ملنے کا پتہ: جامعہ تدبر القرآن 15-بی وحدت کالونی لاہور

شیخ عمر فاروق درد دل رکھنے والے سادہ سے آدمی ہیں۔ قرآن وحدیث کے مطالب سمجھنے سمجھانے میں ان کی عمر گزری ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مختلف موضوعات پر لکھتے رہے ہیں' جنہیں بعد ازاں کتابی شکل میں مدون کر کے شائع بھی کر چکے ہیں۔ پھر سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی تشریح وتوضیح پر مبنی ان کی ایک کتاب ''الفرقان'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

''الحکمۃ'' ۸۰ سے زیادہ احادیث کا مجموعہ ہے جو حدیث کی مستند کتب سے اخذ کیا گیا ہے۔ ہر حدیث کی تشریح عام فہم اور موجودہ حالات کی روشنی میں کی گئی ہے۔ ہر حدیث کی تشریح میں جا بجا مؤید قرآنی آیات اور احادیث لکھ دی ہیں۔ اس طرح اس مجموعے میں متعلقہ آیات قرآنی کے علاوہ سینکڑوں احادیث آ گئی ہیں۔ اس مجموعہ احادیث کی اہمیت بہت زیادہ ہو گئی ہے کیونکہ اس انتخاب میں ان احادیث کو لیا گیا ہے جو ہر مسلمان کو روزمرہ زندگی میں ضروری راہنمائی مہیا کرتی ہیں۔ حدیث کی تشریح وتوضیح اس قدر پُر تاثیر انداز میں کی گئی ہے کہ پڑھنے والا اثر قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یوں یہ کتاب از دل خیزد بر دل ریزد کے محاورے کا صحیح مصداق ہے۔ علماء' خطباء اور اساتذہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

شیخ عمر فاروق اس کتاب کو صرف کثیر کے ساتھ شائع کر کے حسب معمول ضرورت مندوں کو ہدیۃً دے رہے ہیں' لیکن اس ضمن میں وہ اطمینان کرنا چاہتے ہیں کہ کتاب صحیح لوگوں میں پہنچے اور واقعی اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس لئے وہ ''الفرقان'' اور ''الحکمۃ'' ذریعہ ڈاک نہیں بھیجتے' بلکہ ضرورت مندان سے بالمشافہ ملاقات کر کے اور فائدہ اٹھانے کی

یقین دہانی کرا کر حاصل کر سکتے ہیں۔ کتاب خوبصورت ٹائٹل اور مضبوط جلد میں محفوظ کی گئی ہے۔ کمپوزنگ نہایت اعلیٰ اور کاغذ عمدہ ہے۔

(۲)

نام کتاب : شریعت اسلامیہ کے محاسن (حصہ دوم)
مرتب : شیخ عمر فاروق
ضخامت: 544 صفحات ۔ قیمت : درج نہیں
ملنے کا پتہ: جامعہ تدبر القرآن ۔15-بی وحدت کالونی لاہور

فاضل مصنف شیخ عمر فاروق ناموری اور شہرت سے بے نیاز قلم و قرطاس کے ذریعے فروغِ دین اسلام کا مشغلہ اپنائے ہوئے ہیں۔ وہ عربی اور انگریزی زبانوں پر دسترس رکھتے ہیں۔ تقویٰ شعاری اور سادہ زندگی ان کی پہچان ہے۔ اشاعت دین اسلام پر لاکھوں روپے اپنی جیب سے خرچ کر رہے ہیں حالانکہ وہ کوئی سرمایہ دار اور متمول آدمی نہیں ہیں۔ ساری زندگی درس و تدریس میں گزاری اور رزق حلال کمایا۔

شریعتِ اسلامیہ کے محاسن اُن کے مضامین کا مجموعہ ہے جو ہفت روزہ ایشیا میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اب انہوں نے ان مضامین کو کتابی شکل میں مدون کر دیا ہے۔ قبل ازیں اس کا پہلا حصہ شائع ہوا تھا۔ اب زیر تبصرہ کتاب مصنف کے مضامین کا دوسرا حصہ ہے۔ اس حصے میں ۶۹ مضامین شامل ہیں جو اسلامی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان میں زبان سادہ استعمال کی گئی ہے جس کے باعث ہر طبقے کے افراد اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ تمام مضامین ٹھوس مواد پر مشتمل ہیں جو قرآن و سنت کی تعلیمات کا مظہر ہیں۔ پھر قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ وہ زیر تبصرہ کتاب شائع کر کے اُن اصحاب کو ہدیۃً دیتے ہیں جو دینِ متین سیکھنے سکھانے کا شوق رکھتے ہوں۔ یاد رہے کہ وہ یہ کتاب کسی ضرورت مند کو بذریعہ ڈاک نہیں بھیجتے، بلکہ جس کو ضرورت ہو وہ ان سے بالمشافہ مل کر اور اپنی ضرورت بتا کر حاصل کر سکتا ہے۔

کتاب کی کمپوزنگ کا معیار اعلیٰ، کاغذ عمدہ، ٹائٹل خوبصورت اور جلد مضبوط ہے۔ یوں حسن حقیقی کے ساتھ یہ جمالِ ظاہری سے بھی مزین ہے۔

(۳)

نام کتاب : ۱۱ستمبر سے ابوغریب جیل تک: اصل حقائق

مصنف : علی آصف

ضخامت:224 صفحات ..... قیمت :150روپے

ملنے کا پتہ: ادارہ منشورات اسلامی بالمقابل منصورہ' ملتان روڈ' لاہور

نائن الیون کے واقعہ نے عالمی امن کو تہہ و بالا کر ڈالا۔ اس سے قبل بھی یہود و نصاریٰ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے' مگر اس واقعہ کو تو انہوں نے مسلمانوں کو ملیامیٹ کرنے کا بہانہ بنالیا۔ نائن الیون کے واقعہ کے پس منظر اور پیش منظر کو ہر شخص جاننا چاہتا ہے مگر متضاد قسم کی رپورٹوں سے کسی حتمی نتیجے پر نہیں پہنچا جاسکتا۔ مصنف کتاب ڈاکٹر علی آصف علم دوست اور فاضل نوجوان ہیں۔ اُمت مسلمہ کا درد بھی رکھتے ہیں۔ انہوں نے انتہائی جانفشانی اور محنت کے ساتھ اس عظیم واقعے کے تمام پہلوؤں کا بڑی دقت نظر سے مطالعہ کیا ہے اور اپنے حاصل مطالعہ کو کتابی صورت میں پیش کر دیا ہے۔ مصنف کتاب کے دیباچے میں رقم طراز ہیں:

''اس کتاب کا مقصد نوجوانوں کو امریکہ اور مغرب کے خلاف بھڑکانا اور مشتعل کرنا ہرگز نہیں ہے' نہ ہی میرا مقصد حکومت پاکستان اور افواجِ پاکستان پر تنقید کرنا ہے۔ بلکہ عوام کے سامنے تاریخ وحقائق کا دوسرا رخ پیش کرنا ہے جو عام لوگوں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ اس کتاب کا تمام تر مواد مغربی میڈیا سے لیا گیا ہے۔ مغربی جرائد و رسائل واخبارات کے انٹرنیٹ ایڈیشن کا بھرپور مطالعہ کیا گیا ہے اور امریکی مبصرین کی روشنی میں گیارہ ستمبر کے دوسرے پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کتاب میں تمام واقعات کا طائرانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ مزید تفصیلات کو طوالت کے خوف سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کا مقصد عوام اور بالخصوص ہمارے بڑوں کو یہ باور کرانا ہے کہ مغربی میڈیا کے بڑے حصے کی بغیر سوچے سمجھے تقلید نہ کی جائے اور ہر خبر کا بغور جائزہ لیا جائے۔''

ڈاکٹر اسرار احمد بانی تنظیم اسلامی اور داعی تحریک خلافت پاکستان نے اس کتاب پر رائے دیتے ہوئے کہا ہے کہ قارئین کے لئے مصنف کی یہ کاوش دلچسپی کا باعث ہوگی اور عہدِ حاضر کے

ضمن میں بہت قیمتی معلومات کے اضافے کی موجب بھی ہوگی۔
کتاب سفید کاغذ پر خوبصورت کمپوزنگ کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ کتاب کا ٹائٹل خوشنما اور جلد مضبوط ہے۔

(۴)

نام کتاب : مکتوباتِ افغانیؒ
مرتبہ : مولانا عبدالقیوم حقانی
ضخامت: 208 صفحات ..... قیمت : درج نہیں
ملنے کا پتہ: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد نوشہرہ

یہ ممتاز عالم دین روحانی پیشوا مولانا شمس الحق افغانی کے خطوط کا مجموعہ ہے جو انہوں نے شیخ التفسیر مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی کو لکھے ہیں۔ اس مجموعے میں ۱۲۶ مکتوبات شامل ہیں۔ مولانا شمس الحق افغانی کا شمار جید علمائے کرام میں ہوتا ہے جن کی ہمہ جہت شخصیت نہ صرف برصغیر بلکہ دنیائے اسلام میں بھی متعارف ہے۔ آپ کی علمی خدمات قابل ستائش ہیں آپ ریاست قلات کی وزارت معارف الشریعہ کے منصب پر بھی فائز رہے۔ آپ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن بھی رہے۔ آپ مولانا انور شاہ کشمیری کے تلمیذ خاص تھے۔

قاضی عبدالکریم کلاچوی ڈیرہ اسماعیل خان کے معروف مدرسہ نجم المدارس کے بانی و مہتمم ہیں۔ آپ مولانا شمس الحق افغانی کے شاگرد ہیں اور مرتب کتاب کے استاد ہیں۔ مولانا عبدالقیوم افغانی نے یہ مکتوبات مکتوب الیہ سے حاصل کر کے علم و فضل کے طالبوں کے لئے یکجا مرتب کر دیئے ہیں، بڑوں کی باتیں بڑی ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہ مکتوبات تقویٰ شعار لوگوں کے معمولات اور پند و نصائح پر مشتمل گرانقدر علمی ذخیرہ ہیں۔ مکتوبات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا افغانی کو تعبیر خواب میں بھی خاصی دسترس تھی۔ پند و نصائح کے ضمن میں سالہا سال کے تجربات کی بنیاد پر قابل قدر باتیں لکھی ہیں۔ ایک مکتوب میں معمولات خیر میں تساہل کا علاج یہ لکھا ہے کہ غفلت کی صورت میں خود پر جرمانہ مقرر کر لیا جائے۔ اس طرح یہ کمزوری دور ہو جائے گی۔

الغرض مکتوبات حکمت و دانش اور پند و نصائح کا گلدستہ اور پڑھنے کی چیز ہے۔

☆☆☆

رفقاء واحباب جانتے ہیں کہ

محترم ڈاکٹر اسرار احمد

کا مرتب کردہ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب

تحریک رجوع الی القرآن اور فریضہ اقامت دین کی انقلابی جدوجہد

کے لئے بنیاد اور اساس کا درجہ رکھتا ہے۔ چنانچہ اس تحریکی و انقلابی جدوجہد

کو آگے بڑھانے کے لئے منتخب نصاب کا محض مطالعہ ہی نہیں

درس و تدریس بھی ایک لازمی ضرورت ہے۔ الحمدللہ کہ

قرآن اکیڈمی کراچی نے

مدرسین اور معلمین کی سہولت کے لئے

مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب

کے حصہ اول، دوم، سوم اور چہارم کے نکات برائے درس و تدریس

علیحدہ علیحدہ کتابی صورت میں شائع کر دیئے ہیں —— ان نکات میں:

- متعلقہ آیات کا لفظی ترجمہ
- تمہیدی نکات
- نفس مضمون کی وضاحت
- تفسیری نکات
- موضوع سے متعلق قرآن حکیم کے دیگر مقامات سے آیات کے حوالہ جات اور احادیث نبویہؐ شامل ہیں۔

قیمت: حصہ اول: 60، حصہ دوم: 60، حصہ سوم: 80 اور حصہ چہارم: 100 روپے

حصہ اول کی ابتداء تعارفِ قرآن حکیم کے لئے تدریسی نکات سے ہوتی ہے۔ دس صفحات میں قرآن حکیم کے تعارف سے متعلق تمام مباحث کو بڑی خوبصورتی سے سمویا گیا ہے۔

ملنے کا پتہ: (۱) قرآن اکیڈمی، خیابان راحت درخشاں ڈیفنس فیز IV، کراچی

(۲) **مکتبہ خدام القرآن** 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور